سیرت فاطمۃ الزہراء

فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ (بخاری)

فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن، یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
Facebook : maktabaalfaheem

نام کتاب : سیرت فاطمۃ الزہراءؓ

تالیف : مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی

طابع وناشر : مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

سال اشاعت : جون ۲۰۱۴ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار ایک سو

صفحات :

ملنے کے پتے

مکتبۃ الفہیم ریحان مارکیٹ، دھوبیا املی روڈ، صدر چوک مئوناتھ بھنجن

القرآن پبلیکیشنز سری نگر	مکتبہ دارالسلام سری نگر، مکتبہ مسلم سری نگر
اسلام ورلڈ بنگلور ، عمری بک ڈپو ممبئی	دکن ٹریڈرس مغل پورہ، حیدرآباد 040-24521777
اہلووالیہ (راکیش بھائی) دہلی 9818441306	مکتبہ الاحسان - مکتبہ دارین ندوۃ العلماء روڈ لکھنؤ
شمسی بک سینٹر، شمسی مالدہ۔ اسلام بک سینٹر، شمسی مالدہ	نواب قمر، بنگلور-09845842811، اسلامک بک سینٹر، بنگلور
مکتبہ دار السلام اننت ناگ کشمیر	منور جمال مکتبہ معارف بھنڈی بازار ممبئی 9833845651
صدیقیہ بک ڈپو۔ بھنڈی بازار ممبئی 9769882781	مکتبہ نعیمیہ دیوبند - مکتبہ عکاظ محلہ بڑضیاء الحق۔ دیوبند
کوہِ نور انٹر پرائزز اورنگ آباد ۔ انجم بک ڈپو مٹیا محل دہلی	حافظ عبدالخالق صاحب عالیاوی ناندیڑ
محفوظ بک ڈپو مالیگاؤں، خیر بک ڈپو ڈمریا گنج	ھدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس حیدرآباد

فہرست مضامین

❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

سیر وسوانح کا موضوع دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزاء بھی سبق آموز بھی ہے اور دل سوز بھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ موضوع کردار سازی کی جامع تحریک بھی ہے۔

اس نقطۂ نظر سے ادارہ "مسلم پبلی کیشنز" سیر وسوانح کو منظر عام پر لانے کا سلسلہ جاری کیے ہوئے ہے اس سلسلے کی ایک کڑی آپ کی مشتاق ہاتھوں میں "سیرت فاطمۃ الزاہراء رضی اللہ عنہا ہے۔ یہ کتاب جہاں جگر گوشۂ رسولؐ سیدہ بتول حضرت فاطمۃ الزاہراء کی سیرت کردار اور اخلاق وگفتار کو واضح کرتی ہے وہاں یہ مصنف رحمۃ اللہ کی اہل بیت سے دلی محبت کا گہرا ثبوت بھی ہے۔

اس سے قبل اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اب ادارے کو اسے نئے انداز میں اور تخریج کے ساتھ شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ فللہ الحمد علی ذلک۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مصنف رحمۃ اللہ، قارئین کرام اور ادارے کے رفقاء کے لئے نافع بنائے۔ اور خصوصاً اس کتاب کے ذریعے سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی مغربی تہذیب کی دلدادہ بہنوں اور دیگر خواتین اسلام کے لئے "سیدۃ نساء اھل الجنۃ" کی سیرت مطہرہ کو شعلہ نوا قندیل بنا دے۔ آمین

خیر اندیش

محمد نعمان فاروقی ۳ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

دیباچہ

وہ کون مسلمان ہے، جس نے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نام نامی واسم گرامی نہ سنا ہو بچہ بچہ آپ سے آشنا ہے، ساری اسلامی دنیا ان کا ادب واحترام کرتی ہے۔ لیکن کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ ان کی یہ عزت وعظمت کیوں ملی؟ اور ان میں وہ کیا خوبی اور کیا خصوصیت تھی جس کی وجہ سے ان کو اتنی قدردانی اور عزت افزائی ہوئی؟

اس کا جواب غالباً یہ ملے گا! کہ حضرت فاطمہؓ چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں۔ اس لیے عالم اسلام ان کا احترام کرتا اور انہیں لائق قدر وتوقیر سمجھتا ہے۔

مگر یہ جواب محل نظر ہے! اس لیے کہ یہ کوئی لگا بندھا اصول اور قاعدہ کلیہ نہیں کہ نبیوں اور رسولوں کی اولاد ضرور ہی عزت واحترام کے لائق ہو، اور مخلوق اس کی قدر وتوقیر کرنے پر مجبور ہو۔ اس سے انکار نہیں کہ اولاد نبی کی عزت کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ لیکن ایک یہی سبب نہیں بلکہ اور اسباب بھی ہیں۔ تاریخ کے اوراق الٹے جائیں تو حالات آپ کو بتائیں گے کہ نبی یا رسول کی محض اولاد ہونا ہی اس کی تعظیم وتکریم کا باعث نہیں ہوتا بلکہ واجب الاحترام اور قابل عزت ہونے کے اسباب کچھ اور بھی ہوتے ہیں جب تک وہ اسباب ساتھ شامل نہ ہوں بات نہیں بنتی، جن کی تفصیل آپ کو اگلے صفحات میں ملے گی۔

مثال کے طور پر آپ نوح علیہ السلام کو دیکھیے۔ آپ اللہ کے نبی تھے۔ جب ان کی قوم پر نافرمانیوں اور سرکشیوں کی وجہ سے عذاب آنے لگا تو خدائے کریم نے ان سے وعدہ کیا کہ میں تمہارے اہل کو بچاؤں گا۔ چنانچہ طوفان آ گیا نوح علیہ السلام کی کشتی پانی میں تیرنے لگی۔ لیکن ان کا حقیقی بیٹا کنعان غرق ہو گیا۔ آپ نے عرض کی خداوند عالم! تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جواب ملا اے نوح! اسے ڈوبنے دے۔ یہ بد بخت ہرگز تیرے اہل سے نہیں۔ تیرے اہل سے وہ ہیں جو تیرے فرمانبردار ہیں اور کشتی میں تیرا ساتھ دے رہے ہیں۔ پس نوح علیہ السلام کا بیٹا چونکہ باپ کے سایۂ ہدایت سے دور رہا۔ کافروں کی صحبت میں رہا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مشرکین و منکرین سے مل کر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے حکموں اور فرمانوں کا مذاق اڑاتا رہا۔ اس لیے وہ فرزند رسول ہونے کے باوجود غرق ہو گیا۔ اور اس فخر اور گھمنڈ نے' کہ وہ نبی کا بیٹا ہے اس کی کوئی مدد نہ کی۔ سعدی علیہ الرحمتہ نے خوب کہا ہے۔

پسر نوح بابداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

''مطلب یہ کہ نوح پیغمبر کا بیٹا بروں کی مجلس اختیار کرنے کی وجہ سے خاندان نبوت سے کٹ گیا۔ اور اس کے برعکس کتا جو ایک حقیر و ذلیل جانور ہے' اصحاب کہف رحمھم اللہ جیسے نیک لوگوں کی معیت میں رہ کر مرتبہ پا گیا۔''

یہ اور اس قسم کی دوسری مثالیں واضح کرتی ہیں کہ انبیاء و اولیاء یا بزرگان دین و قوم کی محض اولاد ہونے کی وجہ سے کوئی عزت و عظمت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اعمال اچھے نہ ہوں۔ اطوار بھلے نہ ہوں۔ تربیت اچھی نہ ہو۔ دل و دماغ میں نیکی اور

پرہیزگاری کے پاکیزہ جذبات نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ' اس کی شریعت اور اس کے احکام و ارشاد کی اطاعت نہ کی جائے' اور جب تک اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کا پورا فرمانبردار' اور بہر پہلو نیکوکار نہ بنایا جائے۔ محض نسبتیں کام نہیں دے سکتیں۔

دیکھ لیجیے! یوسف علیہ السلام بھی انہیں یعقوب علیہ السلام پیغمبر کے بیٹے تھے جن کے گیارہ فرزند اور بھی تھے۔ لیکن جناب یوسف علیہ السلام نے باپ کی صحبت اختیار کی۔ انہی سے تربیت حاصل کی۔ لہذا انہوں نے دین و دنیا میں سر بلندی و سرفرازی پائی۔ اللہ تعالیٰ سے انہیں دو انعام عطا ہوئے۔ اول یہ کہ وہ کرسی نبوت کی زینت بنے۔ اور دوم تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ لیکن ان کے دوسرے بھائی چونکہ اس قدر تربیت نہ پا سکے تھے۔ اور باپ کی صحبتوں سے فیضیاب نہ ہو سکے تھے۔ اس لیے ان کی ساری عمر ڈنگر ڈھور چرانے' لکڑیاں کاٹنے' گھاس کھودنے اور مار دھاڑ کرنے میں بسر ہوئی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ خوبی' یہ عظمت' یہ حرمت اور یہ عزت اسی وجہ سے ملی کہ انہوں نے اپنے بزرگ باپ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیر سایہ تربیت پائی تھی۔ ایک رسول اور نبی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے گھر والوں کا استاد و مبلغ بنے اور اپنے خاندان' اپنے کنبہ' اپنی برادری' اپنے اہل و عیال اور اپنی اولاد سے تبلیغ و تربیت شروع کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حکم الٰہی کے ماتحت ایسا ہی کیا کہ جس طرح گھر کے دوسرے لوگوں کو تربیت فرمائی' اسی طرح اپنی اولاد کو بھی اعلیٰ درجہ کی ٹریننگ دی۔ اور اسے اس بلند مرتبہ پر پہنچا دیا کہ کوئی کسی بات اور کسی معاملہ میں بھی اس پر حرف زنی اور انگشت نمائی نہ کر سکے' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور چہیتی بیٹی تھیں' بچپن سے لے کر جوانی تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سایۂ رحمت و عاطفت میں رہیں' اس لیے وہ بہترین تربیت پا گئیں۔ اور جملہ اعمال و افعال'

اور عادات وخصائل میں اپنے مقدس باپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ بن گئیں۔

پھر ان کو شوہر محترم (یعنی علی رضی اللہ عنہ) بھی ایسے ملے جو اپنے خسر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے اس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام دینی اور دنیوی امور میں ماہرہ کاملہ ہو گئیں۔ یہ ہے سبب جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے عزت پانے کا۔ اسی سے ان کو سَیِّدَةُ النِّسَآءِ الْعَالَمِیْنَ[1] اور سَیِّدَةُ النِّسَاء اَھْلِ الْجَنَّۃِ[2] کے خطابات ملے۔ اور اسی لیے ان کے متعلق فرمایا گیا۔ کہ فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّی فَمَنْ اَغْضَبَھَا فَقَدْ اَغْضَبَنِی۔[3] "یہ فاطمہؓ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے پس جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔" یہ فاطمہؓ کی اطاعت و فرمانبرداری ہی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کے حق کے مطابق مانا اور جانا۔ اپنے باپ کے بلندترین مقام کو پہچانا اور ان کے ہر حکم کی تعمیل فرمائی۔ حکم عدولی کا کبھی تصور بھی نہیں کیا۔

حضور ﷺ اپنی اولاد اور اپنے اہل و عیال کی جس طور پر تعلیم و تربیت فرماتے تھے وہ سب مسلمانوں کے لیے سبق آموز ہے۔ ذرا بھی کسی سے کوئی غلطی ہوتی حضور ﷺ فوراً روک ٹوک دیتے کہ یوں نہیں یوں کرنا چاہیے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بڑی ہی پیاری بیٹی تھیں۔ مگر جب ان سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی تو آپ فرماتے۔ اِتَّقِیَ اللّٰہَ یَا فَاطِمَةُ ! اَدِّ ی فَرِیْضَةَ رَبِّکِ[4] "اے فاطمہ! اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ نے جو فرائض تم پر عائد کیے ہیں انہیں ادا کرتی رہو۔" ایک بار

---

(۱) بخاری' الاستئذان: باب من ناجی بین یدی الناس الخ ح ۶۲۸۶ ـ ۳۶۲۴ مسلم' فضائل الصحابہ: باب فضائل فاطمۃ بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح ۲۴۵۰

(۲) بخاری' المناقب: باب علامات النبوۃ فی الاسلام ح ۳۶۲۴

(۳) بخاری' فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم' باب مناقب فاطمۃ رضی اللہ عنہا ح ۳۷۶۷

(۴) ابوداؤد' باب فی بیان مواضع قسم الخمس وسہم ذی القربیٰ ح ۲۹۸۸

محترمہ سیدہؓ نے کسی کو گدھا یا کوئی ایسا ہی برا لفظ کہا۔ حضور ﷺ نے سنا۔ تو فرمایا: یَا فَاطِمَۃُ اِعْمَلِی اِعْمَلِی اِعْمَلِی ''اے فاطمہ! اچھے عمل کر' اچھے عمل کر' اور اس بات پر مت اترا کہ تو رسول کی بیٹی ہے۔ جب تک تو اچھے عمل نہ کرے گی اور نیک و صالح نہ بنے گی۔ ہرگز نہ بخشی جائے گی۔

یہ غلط ہے کہ حضور ﷺ کو فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کے سوا اپنی دوسری اولاد سے محبت نہ تھی حضور ﷺ جس طرح سیدۃ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا سے پیار کرتے تھے اسی طرح دوسری اولاد کو بھی عزیز رکھتے تھے حتیٰ کہ حضور ﷺ اپنی اولاد ربیبہ (جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھی) کے ساتھ بھی حقیقی اولاد کی طرح محبت کرتے اور اس کی تربیت فرماتے تھے۔ البتہ یہ عام قاعدہ ہے کہ سب سے چھوٹا بچہ زیادہ پیارا ہوتا ہے اور اس کی طرف ماں باپ کی زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ والدین چاہتے ہیں کہ یہ ہماری زندگی ہی میں پروان چڑھ جائے' اور جلد از جلد تربیت پا کر علوم و فنون میں ماہر اور تعلیم و تربیت میں مکمل ہو جائے' ہمارے بعد نا معلوم اس کا کیا حال ہو' اسے تعلیم پانے اور کسی قسم کی تربیت لینے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ رب جانے اس کے پسماندگان اس سے کیا سلوک کریں؟ پس چونکہ سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا ہی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اس لیے آپ ﷺ کو سب سے پیاری تھیں۔ اور اسی خیال سے حضور ﷺ نے بھی بہت چھوٹی عمر میں انہیں تعلیم و تربیت کی تکمیل کر کے فارغ کر دیا۔ ورنہ زینبؓ' رقیہؓ اور ام کلثومؓ بھی کچھ کم عزیز و محبوب نہ تھیں۔ آپ پڑھیں گے تو آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

اب آپ یہ دیکھیے کہ آپ کے ہاں بھی اولاد ہوتی ہے۔ اور آپ بھی اس سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ اس محبت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ آپ اسے اچھی سے اچھی تعلیم دیں یا دلائیں۔ اسے صالح اور نیکوکار بننے میں مدد دیں۔ اس کی اصلاح و

تربیت کا خاص خیال رکھیں۔تا کہ وہ دین ودنیا میں کامیاب وکامران ہو۔وہ یہاں بھی عزت پائے اوراس کی عاقبت بھی اچھی ہو جائے۔لیکن آج ہوتا یہ ہے کہ اولاد سے محبت تو ہے مگر اسی قدر ہے کہ اس کا دین جاتا ہے تو جائے۔ایمان ہٹتا ہے تو مٹے۔مگر وہ اسلامی طریق وعمل کے خلاف مغربی اور یورپی طرز کی تعلیم وتربیت حاصل کرے اور اس کی بدولت کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو جائے۔

آہ! آج قوم کی بہو بیٹیاں اسی یورپی تعلیم اور مغربی تہذیب وتربیت کے زیراثر بے حیائی و بے پردگی پر مائل ہیں۔وہ ہر قسم کی بداخلاقیاں اور بدکرداریاں اختیار کر چکی ہیں۔حرام کاریوں اور عصمت فروشیوں کے اڈے ان کے قبضے میں ہیں۔ناچ گھروں اور کلبوں کی وہ رونق ہیں۔سینماؤں اور تھیٹروں کی وہ زینت ہیں۔ ہوٹل اور ریسٹورنٹ ان سے آباد ہیں۔تفریح گاہوں اور باغ باغیچوں میں ان کے خلوت خانے ہیں۔سڑکوں اور بازاروں میں وہ کودتی ہیں۔گلیوں اور کوچوں میں وہ دندناتی پھرتی ہیں۔بے پردگی و بے حجابی کا نمونہ ہیں۔عریانی و برہنگی کی دلدادہ ہیں۔ یہ ہے علم دین سے لاپرواہی اور اسلامی تہذیب وتربیت سے غفلت برتنے کا انجام اور بدانجام!

کاش! ہماری بہو بیٹیاں' ہماری مائیں اور بہنیں جو زبان سے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تعظیم وتکریم کرتی ہیں۔لیکن ان کے نقش قدم پر نہیں چلتیں' سوچیں کہ وہ کیا تھیں اور ہم کیا ہیں؟ وہ کن خوبیوں کی مالک تھیں اور ہم کن برائیوں اور بدیوں کی حامل ہیں؟ اگر آج بھی وہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا اسوہ اور نمونہ اختیار کریں۔ان کے نقش قدم پر چلیں۔ان کی پیروی کریں۔تو اس سے نہ صرف ان کی اپنی عاقبت سنور جائے گی' بلکہ ملک وملت کے لیے بھی وہ باعث فخر وناز ہوں گی اور دنیائے اسلام ان کا احترام کرے گا۔

یہ کتاب، جو "سیرت فاطمۃ الزہرا" کے نام سے آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ اسی لیے سبقاً سبقاً لکھی گئی ہے۔ تا کہ ہماری بہنیں اور بہو بیٹیاں حضرت فاطمہ الزہراء کے حالات زندگی پر غور کریں اور درس لیں۔

سیدہ محترمہ کا ہر کام، ہر طریقہ اور ہر بات، دختران اسلام کے لیے مشعل راہ اور راہنما ہے۔ اگر ان کی صحیح پیروی کی جائے تو ہماری بگڑی بھر بن سکتی ہے اور ہماری زندگیاں جنت کا نمونہ قرار سکتی ہیں۔

ہم نے ابنائے وطن اور بنات قوم کی اصلاح و تربیت کے لیے بزرگان دین کے حالات و سوانح قلمبند کرنے کا جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے "سیرت فاطمۃ الزہراء" بھی اس خوبصورت سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ "مسلمان کمپنی" کی طرف سے اس قسم کی کتابیں برابر شائع ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ امید ہے کہ برادران ملت اس کی اشاعت بڑھا کر ہمیں بیش از بیش خدمات کا موقع دیں گے۔

مخلص عبدالمجید (سوہدرہ)

سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت

عائشہ و فاطمہ رضی اللہ عنہما

حجاب و شرم و حیا زندگی ہے عورت کی
جو یہ نہ تو برابر ہے پھر وجود و عدم

نہ دیکھ رشک سے تہذیب کی نمائش کو
کہ سارے پھول یہ کاغذ کے ہیں اللہ کی قسم

وہی ہے راہ ترے عزم و شوق کی منزل
جہاں ہیں عائشہ و فاطمہ کے نقش و قدم
(رضی اللہ عنہما)

پردۂ ناموس ما

اے ردائت پردۂ ناموس ما
تاب تو سرمایۂ فانوس ما

"سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا: آپ کی با عظمت چادر دراصل عزت و ناموس کا پردہ ہے۔ آپ کی جلوہ افگنی ہماری ملت کے فانوس کا سرمایہ ہے۔"

طینت پاک تو مارا رحمت است
قوت دین و اساس ملت است

"آپ کے اخلاق و عادات ہمارے لیے باعث رحمت ہیں۔ آپ کا وجود دین کے لیے قوت۔ اور ملت کے لیے اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔"

اسوۂ کامل بتول رضی اللہ عنہا

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

"سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شان یہ ہے کہ وہ تسلیم و رضا کا حاصل اور قابل عزت خواتین کے لیے پیروی کا بہترین نمونہ ہیں۔"

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودی چادر خود را فروخت

"ایک محتاج کے لیے آپ کا قلب حساس اس قدر بے چین ہو گیا کہ اس کی اعانت کے لیے ایک یہودی کے پاس اپنی چادر فروخت کر دی۔"

نوری و ہم آتشی فرماں برش
گم رضایش در رضائے شوہرش

"نیک پاک ہوں یا سیاہ کار سب لوگ ان کے فرمانبردار تھے۔ اور وہ اپنے شوہر والا تبار کی اطاعت گزار تھیں حد درجہ اطاعت گزار۔"

آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیا گرداں و لب بہ قرآن سرا

''انہوں نے صبر و رضا کی جلو میں پرورش پائی تھی، اپنے باعظمت ہاتھوں سے چکی چلاتی رہتی تھیں۔ اوران کے لب ہائے مبارک پر قرآن کی تلاوت جاری ہوتی تھی۔''

گریہ ہائے زبالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بداماں نماز

''ان کا گریہ تکیہ سے بے نیاز تھا، آپ بجائے تکیہ کہ وہ اپنے آنسوؤں کے گہرہائے آبدار جائے نماز پر گرایا کرتی تھیں۔ یعنی آپ قائم اللیل تھیں اور بہت کم سویا کرتی تھیں۔''

اشک او بر چید جبریل امیں
ہم چو شبنم ریخت بر عرش بریں

''جبرائیل امین ان کے آنسو زمین سے چنتے تھے اور شبنم کے قطروں کی طرح بلندی پر گرایا کرتے تھے۔''

رشتۂ آئیں حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفےٰ است

''(شاعر کہتا ہے) میرے پاؤں میں آئین حق یعنی اسلامی احکام کی زنجیر پڑی ہوئی ہے۔ اور مجھے جناب شہ کونین ﷺ کے فرمان گرامی کا پاس ہے۔''

ورنہ گرد تربتش گردید مے
سجدہ ہا بر خاک او پاشید مے

(اقبال)

''ورنہ میں ان کی پاک و ذیشان تربت کا طواف کرتا اور اپنے سجدہ ہائے شوق وعقیدت ان کی خاک مرقد پر نچھاور کرتا۔ مگر ایسے نہیں کرتا۔ کیونکہ فرمان رسول ﷺ اس کی اجازت نہیں دیتا۔''

تیرا اسم گرامی ہے بڑا ہی محترم زَہراء

تیرا اسم گرامی ہے بڑا ہی محترم زَہراء
تو بیٹی ہے محمدؐ کی جو ہے شاہ امم زَہراء
نساء کی سیدہ تجھ کو کہا فخر دو عالم نے
رہے گا تیری عظمت کا سدا اونچا عَلَم زہراء
تُو زہرا بھی تُو فاطمہ بھی' لقب تیرا بتول بھی ہے
نہ ہو گا حشر میں تجھ کو کوئی رنج و الم زہراء
خدیجہؓ عائشہؓ حفصہؓ ام سلمیٰ تیری مائیں
صدیق اکبر ہے نانا بھی جو ہیں صدیق عم زہراء
ام کلثومؓ .زینب اور رقیہ ہیں تیری بہنیں!
نبی کو چاروں پیاری ہوں سبھی ہیں ہم چشم زہراء
ہوا ظاہر تیرا اقبال سورج نے نقاب اوڑھا
ہے بعد از تیری ماؤں کے حیا تجھ پر ختم زہراء
تُو حسن و حسین کی امی تو شوہر ہے علی حیدر
مبارک ہو تیرا محبوبؐ کے گھر میں جنم زہراء
اگر پڑتا پہاڑوں پر تو پانی بن کے بہہ جائے
رسول اللہ کی فرقت پر ملا تجھ کو جو غم زہراء
اگر ہر ماں بہن بیٹی تیری سیرت کو اپنا لے
سند جنت کی ہو ظاہر تیرا نقش قدم زہراء

عرض ناشر

''سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا'' خاتون جنت' سیدۃ النساء العالمین کے حالات زندگی پر مختصر مگر جامع کتاب ہے۔ اس وقت جو کتب دستیاب ہیں مثلاً الزہراء (ابوالنصر) خاتون جنت (منشی تاج دین) فاطمہ بنت محمد (رئیس احمد جعفری) سیرت فاطمہ زہراء (امام الدین رام نگری) خاتون جنت فاطمہ زہراء (رفیق دلاوری)' فاطمۃ الزہراء (طالب ہاشمی) وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سب کتب میں کتاب ہٰذا کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس میں سلاست وروانی اور اختصار وجامعیت کو بطور خاص پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کتاب کا بہ نسبت دوسری کتب کے استنادی پایہ بھی عمدہ ہے۔

سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بہر پہلو کامل' جامع اور جاذب بنانے کی ہر ممکن سعی کی گئی ہے۔ اس کی تزئین کے علاوہ اس کی ترتیب وتوسیع اور تخریج کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔ ساٹھ ستر برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد ظاہر ہے اردو میں تھوڑی بہت تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ اس لیے بعض الفاظ اور جملوں میں ضروری تبدیلی کی گئی ہے تاکہ عبارت میں کہیں تعقید' رکاکت' ابتذال یا جھول نہ رہے۔ اور یہ مقامات زیادہ نہیں ہیں' لیکن قلیل ہونے کے باوجود یہ تصحیح ناگزیر تھی۔

مصنف کتاب ہٰذا کا شمار اگرچہ اپنے عہد کے صف اول کے علماء میں ہوتا تھا۔ اور اپنے وقت کے ممتاز ادیب' صحافی اور شہرہ آفاق طبیب تھے۔ لیکن نصف صدی گزرنے کے باعث نئی پود کافی حد تک ان سے ناآشنا ہے۔ اس لیے موزوں

خیال کیا کہ شروع کتاب میں ان کے حالات بھی لائے جائیں۔ تاکہ نئی نسل اپنے آئیڈیل اور مشاہیر زمانہ لوگوں سے آشنا ہو اور ان عبقری ہستیوں اور اعاظم رجال کی چال اور روش اپنا کر ملک وقوم کا نام روشن کر سکے۔ چنانچہ ہم نے شروع کتاب میں آپ کے مختصر حالات زندگی بھی دے دیے ہیں۔ ویسے آپ کے حالات زندگی الگ سے ترتیب دیے جا رہے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کے ''مقالات'' آپ کے ''فتاویٰ'' اور آپ کے خاندانی حالات پر ''تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ'' وغیرہ کتب نہ صرف زیر تجویز ہیں بلکہ زیر ترتیب ہیں اور عنقریب مارکیٹ میں آیا ہی چاہتی ہیں۔[1] ان کتب کا مطالعہ کر کے قارئین یہ محسوس کریں گے کہ ایسی کتب علم وادب' تاریخ اور سیر وسوانح کے باب میں ایک خوبصورت اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ادارہ مسلم پبلی کیشنز سوہدرہ قرآن وسنت' فقہ وتاریخ اور سیر وسوانح پر گرانقدر کتب شائع کر کے ارباب فکر ودانش سے جس طرح ماضی میں خراج تحسین حاصل کر چکا ہے اسی طرح آئندہ بھی اچھی اور مفید عام کتب شائع کر کے ملکی وقومی خدمات سرانجام دے گا۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری علمی' ادبی' فقہی' تاریخی' سوانحی اور طبی کوششوں اور کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد ادریس فاروقی

❀❀❀

(۱) کتاب ''تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ'' جس میں آپ اور آپ کے خاندان کے اصول وفروع کا تذکرہ آیا ہے زیور طبع سے آراستہ ہو کر مارکیٹ میں آ چکی ہے۔ یہ کتاب ایک سوانحی اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ (فاروقی)

حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ

یوں تو مصنف کتاب ہٰذا کی ذات تعارف کی محتاج نہیں' کیونکہ اسلامی اور طبی لائن میں ان کا کافی شہرہ ہے لیکن نئی جنریشن تقریباً ان سے نا آشنا ہے۔ حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی علیہ الرحمۃ بیک وقت تین رسالوں کے ایڈیٹر اور اسلامی وطبی تقریباً پچاس سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔ علاوہ ازیں آپ ہر دل عزیز اور بے بدل خطیب تھے۔ برصغیر کا شاید کوئی شہر یا گاؤں ہو جہاں آپ نے قران وسنت کے زمزمے بلند نہ کیے ہوں۔

ایک مرتبہ بندہ زمانہ طالب علمی میں حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب سے ملنے کے لیے فیصل آباد گیا اتفاق سے وہیں جماعت احرار کے مشہور خطیب مولانا تاج محمود فیصل آبادی بھی تشریف لے آئے۔ محترم حکیم صاحب نے ان سے بندہ کا تعارف کرایا تو انہوں نے ایک آہِ سرد بھری اور فرمایا: کہ حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی اس قدر مقبول خطیب تھے کہ پاک و ہند کا کوئی جلسہ ایسا نہیں تھا جس میں وہ مدعو نہ کئے گئے ہوں' آپ نصف صدی میں منعقد ہونے والے جلسوں کا کوئی بھی اشتہار اٹھا کر دیکھ لیں اس میں مجاہد ملت مولانا عبدالمجید سوہدروی کا نام ضرور ہوگا۔''

سوہدرہ وزیرآباد سے جانب مشرق سیالکوٹ روڈ کے قریب ایک قصبہ ہے وہاں اگرچہ بڑے بڑے ارباب فکر ودانش واصحاب فضل وکمال پیدا ہوئے جن کی اپنی

جگہ کافی خدمات ہیں' مگر سوہدرہ کو برصغیر پاک و ہند میں صحیح طور پر حضرت مولانا سوہدروی علیہ الرحمۃ نے متعارف کرایا۔ ہماری خواہش ہے کہ ''تاریخ سوہدرہ'' نام سے ایک کتاب مرتب کریں۔ جس میں سوہدرہ کی تاریخ کے علاوہ مشاہری سوہدرہ کا ذکر کریں۔ اور اس میں بہت سی معلومات افزاء باتیں لائیں۔ اس کتاب میں سوہدرہ کے قابل ذکر حالات کا بھی ذکر کیا جائے گا۔ امید ہے وہ کتاب افادیت وندرت کی بنا پر قبول عام کا درجہ حاصل کرے گی۔

حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی روایتی ''مولوی'' نہ تھے بلکہ متبحر عالم دین' بڑے وضعدار وطرح دار طبیعت کے مالک' صاحب جلال و جبروت' بڑے زیرک و مدبر اور بلند حوصلہ' مختصر یہ کہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ٹھیک ٹھاک زمیندار بھی تھے۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے ''عامل'' ہونے کے علاوہ روحانی بزرگ اور حامل قرآن وسنت تھے۔ علم طب میں بڑا شہرہ رکھتے تھے۔ تشخیص وتجویز میں آپ وحید العصر تھے۔

آپ بہترین مفسر قرآن تھے۔ خطبات جمعہ میں قرآنی آیات اور سورتوں کی اتنی دلنشیں تفسیر فرماتے اور اس سوز سے قرآن پڑھتے کہ واللہ! یوں لگتا تھا جیسے قرآن ابھی نازل ہو رہا ہو' آپ کی جامع مسجد نمازیوں اور سامعین سے کھچا کھچ بھری ہوتی تھی۔ آپ کے منبر پر جلوہ افروز ہونے سے قبل لوگ آپ کے منتظر ہوتے تھے (الا الغافلون) آپ کی تقریر میں سب رنگ ہوتے تھے' قرآن وحدیث' تاریخ وسیر' شعر وادب' عالمی وملکی سیاست' حالات حاضرہ' علاقائی مسائل وغیرہ...... آپ کا بڑا موضوع اصلاح معاشرہ ہوتا تھا۔ آپ حکومت اور معاشرہ پر بے لاگ تبصرہ کرتے تھے تا آنکہ بسا اوقات خوف آنے لگتا تھا کہ کہیں آپ کی گرفتاری نہ ہو جائے یا معاشرے کے سود خوروں' جوابازوں' بلیک میلروں (Black Malers) ' چوروں' ڈاکوؤں'

لٹیروں اور دین و اخلاق کے دشمنوں میں سے کوئی آپ کی عزت کو مجروح نہ کر دے مگر ہمیشہ اللہ کا فضل و کرم رہا، کسی کو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ آپ کے دبدبہ وطنطنہ کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ اور اس بات میں ذرا مبالغہ نہیں۔ اس رعب و جلال اور شان و شوکت کا حامل عالم کم ہی دیکھنے یا سننے میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رعب و جلال ایسا دے رکھا تھا کہ بڑے بڑے لوگ آپ کے سامنے دم بخود نظر آتے۔ جب آپ پر رنگ جلال غالب آتا تو محفل میں سناٹا طاری ہو جاتا اور جب رنگ جمال کا پرتو ہوتا تو یوں لگتا جیسے حلقہ یاراں میں نسیم محبت کے جھونکے چل رہے ہوں۔ اور اکثر آپ کی پیاری باتوں سے محفل زعفران زار بن جاتی۔

آپ کا انداز بیان منفرد تھا جس میں سلاست و طلاقت، علم و ادب، جلال و جمال، متانت و بذلہ سنجی، اجمال و تفصیل، طنز و ظرافت، ایجاز و اطناب، مذہب و سیاست کا حسین امتزاج ہوتا۔ اور کمال یہ کہ آپ کے بیان میں تکلف و تصنع نام کی کوئی چیز نہ ہوتی۔ آپ کی ہر بات اور ادا میں بے ساختہ پن پایا جاتا، آپ جو کہتے علیٰ وجہ البصیرت کہتے، دل سے کہتے، جذبہ ہمدردی کے تحت کہتے۔ اور یوں لگتا جیسے آپ اپنے دل کی باتوں کو سامعین کے دل میں انڈیل رہے ہوں۔ اسی کو جذب و تاثیر کہتے ہیں۔ موجودہ دور کی تقاریر میں بہت کچھ ہوتا ہے مگر معلومات اور جذب و تاثیر کی کمی ہوتی ہے۔ وہاں ایسی کوئی کمی نہ تھی۔ آپ جب بھی حلقۂ دوستاں بیٹھتے تھے لوگ آپ کی پر از معلومات علمی، تاریخی، سوانحی، ادبی، فقہی، طبی اور دانشورانہ باتیں سننے کے لیے آپ کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ بندہ نے اپنی آنکھوں سے آپ کی محافل دیکھی ہیں۔ آپ میں ایک کمال یہ تھا کہ آپ برسر منبر ہوں یا اسٹیج پر، ٹیبل ٹاک (Table Talk) ہو یا انفرادی گفتگو، لوگ آپ سے بہت محظوظ ہوتے تھے، مطلق بور نہ ہوتے۔ اور اپنے دامن کو علم

وادب کے رنگارنگ پھولوں سے بھر کر لے جاتے۔

آپ خاندانی اعتبار سے بھی نجیب الطرفین تھے۔ آپ دودمان علوی کے روشن چراغ تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب تیں واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالحمید سوہدروی' استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیرآبادی کے داماد تھے۔ آپ کے دادا حضرت مولانا غلام نبی الربانی جنہیں لوگ احتراماً ''جی صاحب'' کہتے تھے اور ان کا نام لینا سوء ادبی خیال کرتے تھے اپنے وقت کے یگانہ روزگار عالم اور ولی کامل تھے۔ آپ کے پردادا مولانا محبوب عالم اور ان کے والد حافظ غلام حسین واجب الاحترام اور لائق سپوت تھے۔ ان کے بزرگ حضرت مولانا حبیب اللہ بڑے اہل اللہ تھے۔ یہ سب لوگ زہد وورع میں اونچا پایہ رکھتے تھے۔ حضرت مولانا حبیب اللہ علیہ الرحمۃ کا مدفن سانتل (Santal) گجرات میں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ جس کی جہلا پرستش کرتے ہیں۔ اگر حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی چاہتے تو بے پناہ دولت اکٹھی کر سکتے تھے' علم وفضل' خاندانی وجاہت اور علاقائی شہرت غرض ہر نعمت انہیں حاصل تھی۔ مگر انھوں نے توحید وسنت پر ہر شے نثار کر دی۔ اور زندگی بھر شرک وبدعت اور کفر وعصیان سے ٹکر لی۔ اور شرک و بدعت کی بلند وبالا عمارتیں توحید وسنت کے تیشوں سے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں۔

آپ کے دینی معلم امام العصر حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور روحانی استاد حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور تقریر وادب کے آئیڈیل (Ideal) حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہم اللہ تھے۔ آپ کی تربیت عالم بے بدل' ولی کامل یعنی آپ کے دادا حضرت مولانا غلام نبی الربانی علیہ الرحمۃ نے فرمائی۔ آپ حضرت مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمۃ کے داماد تھے۔ باب تقویٰ میں حضرت لاہوری کا بھی آپ پر عکس پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ مشکوک کھانا' اور بے نماز کے ہاتھ کی پکی ہوئی

روٹی نہیں کھاتے تھے۔ اور ایسی دعوت قبول نہ کرتے تھے جس پر بینڈ باجے بجائے گئے ہوں یا خلاف شرع کوئی کام کیا گیا ہو۔ اور اس سلسلے میں کسی وڈیرے اور نواب کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ پوری زندگی مسجد کی خدمات کا معاوضہ نہیں لیا۔ سب دینی کام بے لوث کرتے تھے۔ آپ دبک کر نہیں رہے بلکہ آپ نے دبا کر رکھا۔ اور مسجد کا پورا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا۔

آپ بہترین مفتی، صاحب طرز ادیب، ممتاز صحافی، یکتا مدرس اور منفرد مناظر تھے۔ آپ کے فتاویٰ عنقریب طبع ہو رہے ہیں جن سے آپ کی وسعت علمی اور ژرف نگاہی کا اندزہ ہوتا ہے۔ آپ کے ادب و انشاء پردازی اور انداز صحافت معلوم کرنے کے لیے آپ کے جریدہ و رسائل ''مسلمان'' ''جریدہ اہلحدیث'' ''طبی میگزین'' اور آپ کی گوہر بار تصانیف کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارا خیال ہو رہا ہے کہ کسی وقت آپ کے علمی و ادبی شہ پاروں کو احاطۂ تحریر میں لائیں۔ خصوصاً اس میں آپ کے اداریے اور ہنگامی اور اہم موضوعات پر مشتمل مقالات کو یکجا کریں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ قومی سطح پر ایک کارآمد اور نفع بخش کاوش ہوگی۔ آپ کے سوانحی خاکے اور آپ کی سیرت جو آج کل زیر ترتیب ہے، یہ سب چیزیں اس میں آئیں گی۔ ان شاءاللہ

آپ جنوری ۱۹۰۱ء کو پردۂ کتم سے عالم شہود میں رونق افروز ہوئے۔ آپ دودمان علوی سے تعلق ہی نہ رکھتے تھے بلکہ اس عظیم خاندان کا گل سر سبد تھے۔ آپ ذہن رسا لے کر آئے۔ آپ نے قلیل مدت میں زینۂ ارتقاء کے مدارج طے کیے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ہمدوش ثریا و کہکشاں ہو گئے۔ آپ سولہ برس کی عمر میں اچھے خطیب، عمدہ ادیب، ماہنامہ کے مدیر اور یگانہ طبیب بن گئے۔ اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے ہر فن میں نکھار پیدا ہوتا چلا گیا۔ آپ کی تیغ نطق نے بڑے

بڑے جغادریوں کو گھائل ہی نہیں کیا بلکہ مائل کر لیا' تا آنکہ انہیں اپنا حلقۂ اسیر دام بنا لیا۔ آپ کی قوت بیان اور زور استدلال اپنی مثال آپ تھا' جس کا آپ کے معاصرین کو بھی اعتراف ہے۔

حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی پہلے اچھرہ لاہور میں خطیب تھے' اسی علاقے میں مولانا مودودی اور بریلوی مسلک کے مشہور واعظ اور مناظر جناب محمد عمر اچھروی بھی تھے۔ حضرت مولانا سوہدروی مرحوم کے ان دونوں سے روابط تھے۔ باہمی اختلاف مسائل کے باوجود یہ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ ادھر مسلم مسجد کے خطیب جناب محمد بخش مسلم کا بھی مولانا سوہدروی سے دوستانہ تھا۔ یہ شروع میں دیوبند اور بریلی کے درمیان کی راہ پر تھے۔ اخیر بریلی کی جانب میلان ہو گیا۔ مولانا عبدالمجید سوہدروی علیہ الرحمۃ میں ایک خوبی یہ تھی کہ ہر مکتب فکر کے علماء سے ان کے روابط تھے۔ مثلاً مولانا عبدالرحمٰن جامی گوجرانوالہ' مولانا محمد بشیر قبرستان روڈ گوجرانوالہ' مولانا عبدالغفور ہزاروی وزیر آباد' صاحبزادہ فیض الحسن آلومہار' مولانا ابوالحسنات لاہور وغیرہم۔ (۱)

---

(۱) مولانا عبدالرحمٰن جامی کا تعلق دیوبند مسلک سے تھا لیکن متشدد نہیں تھے۔ بڑا اچھا قرآن پڑھتے تھے اور بہت اچھے خطیب تھے۔ آپ نے قبرستان کلاں کے قریب بڑی خوبصورت اور وسیع مسجد بنوا رکھی تھی۔ جس میں ہر جمعہ پر اچھی خاصی رونق ہوتی تھی۔ لوگ بڑے شوق سے آپ کا بیان سننے آتے تھے۔ مولانا محمد بشیر کی قبرستان روڈ پر بڑی مسجد تھی بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے' یہ دونوں ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی علیہ الرحمۃ کے ساتھ پس دیوار زنداں رہے۔ یہ دونوں موصوف سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے۔ اسی طرح شیخ القرآن عبدالغفور ہزاروی' صاحبزادہ فیض الحسن' سید ابوالحسنات قادری صاحبان آپ کے ہم عصر تھے اور بریلوی مکتب فکر کے مشہور واعظ وخطیب تھے۔ ان کے بھی حضرت سوہدروی علیہ الرحمۃ سے اچھے روابط تھے۔ یہ باوجود مسلکی اختلاف کے ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔ مذکورہ علماء حضرۃ العلام مولانا عبدالمجید سوہدروی سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور عزت سے پیش آتے تھے۔ شیعہ علماء میں حافظ کفایت حسین صاحب مرحوم سے رابطہ تھا۔ اور وہ آپ سے ملاقات اور علمی تبادلہ کے لیے کبھی کبھی سوہدرہ بھی آتے تھے۔ (فاروقی)

آپ ہنس مکھ، زندہ دل، وسیع الظرف بھی تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے طنز و ظرافت سے حظِ وافر عطا فرمایا تھا۔ بلکہ اگر آپ کو طنز و ظرافت کا بادشاہ کہہ دیا جائے پھر بھی ناموزوں نہ ہوگا۔ بات سے بات پیدا کرنا آپ کا فن تھا۔ آپ وسیع معلومات رکھتے تھے۔ گفتگو اور تقریر میں کمال حاصل تھا۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ بڑے عابد، صاحب اتقا اور مسلک اہلحدیث کے حامل و عامل اور بہترین داعی تھے۔ آپ کے تفصیلی حالات بفضلہٖ آپ کی سوانح حیات ''دودمان علوی کا روشن ستارہ'' میں بیان ہوں گے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی معلومات افزاء باتیں وہاں ذکر کی جائیں گی انشاءاللہ۔ فی الحال ہم یہ بتا رہے ہیں کہ علمائے اہل حدیث اور علمائے دیوبند تو آپ کو بنگاہ احترام دیکھتے تھے ہی، علمائے بریلی بھی آپ کے قدردان تھے۔ آپ کے بریلوی اجتماعات میں کئی مرتبہ خطابات ہوئے جو بہت پسند کئے گئے۔ جہلم، نارووال ڈسکہ اور سرگودھا کے تاریخی خطابات ہیں۔ یہ مشترک جلسے تھے۔ نارووال میں آپ نے پورے چار گھنٹے انقلاب آفریں اور روح پرور خطاب فرمایا۔ جسے سن کر سب فرقے عش عش کر اٹھے۔ آپ نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ساتھ ایک اسٹیج پر کئی مرتبہ تقریریں کیں۔ اسی طرح سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجرات، قاضی شمس الدین گوجرانوالہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، مولانا محمد علی جالندھری صاحبان سے آپ کے اچھے تعلقات تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری کا داماد ہونے کی وجہ سے سب ارباب دیوبند آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے آپ کی تقریر سن کر ہی آپ کو دامادی میں لیا تھا۔

آپ جب لاہور سے سوہدرہ منتقل ہوئے تو آپ کی آمد نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اور جن لوگوں پر آپ کے دادا جان مرحوم نے محنت کی تھی آپ نے اپنی تبلیغی مساعی کی بدولت انہیں راسخ العقیدہ بنا دیا۔ پوری ککے زئی برادری اہل

حدیث ہو گئی۔ پورا گاؤں تلواڑہ اہل حدیث ہو گیا۔ گویا سوہدرے اور آس پاس کے توحید و سنت کے چرچے ہونے لگے۔ زبانی دعوت و تبلیغ کے علاوہ آپ نے بذریعہ اخبار اور کتب بہت تبلیغ فرمائی۔ ''جریدہ اہلحدیث'' اور ''مسلمان'' آپ کے مشہور اخبار ہیں اور کتب کی تفصیل کتاب ''تذکرہ بزرگان علوی سوہدرہ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد تصنیفات ہیں ان میں ایک ''سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا'' ہے۔ یہ آپ کی زندگی میں تین بار طبع ہوئی۔ اور آپ کے بعد ہم نے اسے دو بار شائع کیا۔ گویا اب یہ سیرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا چھٹا ایڈیشن ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت موصوف کے پیش نظر اصلاح قوم تھی اور آپ کا خیال تھا کہ جب تک نوجوان نسل نہیں سدھرتی، قوم نہیں سدھر سکتی، آپ نے اسی پاکیزہ مقصد کے لیے حدیث [1] اور سیرت کی کتب تالیف فرمائیں۔ ''سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا'' لکھنے سے آپ کا مقصد بہو بیٹیوں کی اصلاح تھا۔ چنانچہ آپ نے بڑے سلیس پیرائے اور دلنشیں اسلوب میں یہ کتاب تحریر فرمائی۔ اور بیٹیوں کو یہ بتایا ہے کہ تم نے اپنی آئندہ کی یعنی ازدواجی زندگی میں کس طرح گزر بسر کرنی ہے؟ اور کیونکر تم اپنے سسرال میں مقام حاصل کر سکتی ہو؟ اس سلسلے میں آپ نے بڑے بڑے پیارے واقعات درج کیے ہیں جنہیں پڑھ کر آدمی ایک اثر لیتا ہے۔ اور کوئی بڑی بات نہیں جو اس کے مطالعہ سے قوم کی بیٹیوں کو اپنے حالات سنوارنے میں مدد ملے۔

ان مذکورہ فوائد و منافع کے پیش نظر اگر ''سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا''

---

(۱) کتب حدیث میں آپ کا بچوں کے لیے لکھا گیا سیٹ بہت مقبول اور نافع ہے۔ یہ حال ہی میں طبع ہو چکا ہے۔ اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ سیٹ مردوں/عورتوں اور بچوں سب کے لیے یکساں مفید اور لائق مطالعہ ہے۔

''سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا'' اور ''سیرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا'' وغیرہ کتب کو طالبات کے جامعات میں بطور کورس شامل کرلیا جائے' تو توقع کی جاسکتی ہے کہ اس سے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

حضرت مرحوم کی دیگر کتب بھی اعلیٰ معیار اور خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ طبع ہورہی ہیں۔الحمدللہ آپ کے پاکیزہ مشن اور کازکو آپ کی اولاد و احفاد نے جاری رکھا ہوا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے سوہدرہ سے مجلّہ ''ضیائے حدیث'' بھی شائع ہورہا ہے۔ ''مسلمان کمپنی'' اور ''طبی ادارہ'' بھی ملک وقوم کی خدمات بجالا رہا ہے۔ سوہدرہ اور حوالئے سوہدرہ میں ''جامعہ اصحاب صفہ'' اور ''قرآن اکیڈمی'' کے تحت قرآن وسنت کی امید افزاء نشر و اشاعت ہورہی ہے' جس کے ثمرات رفتہ رفتہ سامنے آرہے ہیں۔ بحمد اللہ شرک و بدعت کے دبیز پردے چاک ہورہے ہیں اور توحید وسنت کا نور پھیل رہا ہے۔اور بقول شاعر ؎

آخرش جاگ اٹھا وقت کا خوابیدہ شعور
اور سالہا سال کی ظلمت کا فسوں ٹوٹ گیا

دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ اس تگ و تاز میں برکت ڈالے۔ اور ان مساعی کو مشکور فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

محمد ادریس فاروقی

نبیرہ حضرت مولانا عبدالمجید سوہدروی علیہ الرحمۃ

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

ولادت اور ابتدائی حالات

حضرت فاطمہؓ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ آپ کے سن ولادت میں کچھ اختلاف ہے۔ مشہور یہی ہے کہ آپ نبوت کے دوسرے سال جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس برس کی تھی' پیدا ہوئیں'[1] حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی تھیں آپ کی والدہ محترمہ

(۱) الاصابہ ۳/۷۷/۳

آپ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مشہور روایات کا ما حاصل یہ ہے:

(۱) آپ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔

(۲) آپ بعثت نبوی سے ایک سال بعد پیدا ہوئیں۔

(۳) آپ بعثت نبوی سے ایک سال قبل پیدا ہوئیں۔

(۴) آپ بعثت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں۔

بمطابق جناب طالب ہاشمی جمہور اہل سیر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اور اپنی کتاب ''سیرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا'' ص ۶۰ میں لکھا ہے کہ درایت کی رو سے بھی یہی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر مستند روایتوں میں وفات کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ یا ۲۹ سال بتائی گئی ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب سیدہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل تسلیم کی جائے۔ (فاروقی)

ہیں۔ (۱)

جناب نبی کریم ﷺ نے ان کا نام فاطمہ رکھا۔ عربی میں فطم کے معنی ہیں باز رکھنا' اور فاطمہ کے معنی ہیں باز رہنے والی۔ چونکہ اس دختر رسول ﷺ نے:

۱۔ دنیا اور علائق دنیا سے دل نہ لگایا'

۲۔ عیش و عشرت کو قریب نہ پھٹکنے دیا'

۳۔ برائیوں اور عیبوں کو جہاں تک ہو سکا نزدیک نہ آنے دیا'

۴۔ اطاعت رب اور پیروی رسول کی خاطر خود کو دنیوی راحت' تن آسانی اور عیش و آرام سے باز کیے رکھا'

۵۔ تنگی اور تکلیف کو ہنسی خوشی برداشت کیا'

۶۔ لہو و لعب کو اللہ اور اس کے مقدس دین کے لیے ترک کیا' اس لیے ان کا نام فاطمہ اسم بامسمیٰ ہوا۔ اس کو کہتے ہیں جیسا نام ویسا کام!

نام کے علاوہ ان کے کچھ القاب اور کنیتیں بھی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ زَہراء:

چونکہ چہرہ مبارک نہایت سفید اور حسین تھا۔ لہٰذا اس لقب سے معروف ہوئیں۔

۲۔ زاکیہ یا زکیہ:

جو نہایت پاک سرشت اور نیک طینت ہو' اسے ''زکی'' کہتے ہیں۔ (۲)
چونکہ حضور ﷺ ''زکی'' اور ''زاکی'' لقب رکھتے تھے اس لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا زاکیہ اور زکیہ کے لقب سے معروف ہوئیں۔ یعنی پاکیزہ سیرت اور نیک طینت۔

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۸۷

٣۔ راضیہ:

حضور ﷺ کا ایک لقب "راضی" بھی تھا۔[١] یعنی وہ جن سے اللہ ہمیشہ راضی اور خوش رہتا ہو۔ پس حضور ﷺ کی دختر بلند اختر بھی "راضیہ" کہلائیں۔ یعنی اللہ سے ہر حال میں خوش بخوش اور راضی رہنے والی خاتون۔

٤۔ بتول:

وہ جس کا دنیا و مافیھا سے کوئی تعلق نہ ہو۔[٢] چونکہ سیدہ محترمہ علائق دنیا سے بے نیاز تھیں۔ اس لیے "بتول" کے لقب سے ملقب ہوئیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ "بتول" اس دوشیزہ کو کہتے ہیں کہ جسے تمام عمر حیض نہ آیا ہو۔ چونکہ فاطمۃ الزہراؓ بھی ایام ماہواری سے پاک رہیں اس لیے بتول کہلائیں۔ مگر تحقیق سے نہ تو سیدہؓ کی یہ صفت کسی کتاب سے ملی ہے اور نہ یہ معنی کسی لغت میں پائے گئے ہیں۔

٥۔ ام الحسینؓ:

یہ کنیت اس وجہ سے ہے کہ سیدہ عالم حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ ہیں۔[٣]

٦۔ ام الائمہ:

چونکہ حسنؓ حسینؓ اور ان کی اولادیں "امام" کہلائیں۔[٤] اس لیے سیدہ فاطمہ زہرا کی کنیت "ام الائمہ" یعنی اماموں کی ماں ہوگئی۔ اہل سنت اور اہل تشیع میں

(١) ایضاً
(٢) مدارج النبوۃ ج ٢ ص ٧٨٧
(٣) ایضاً
(٤) ایضاً

لفظ امام کے معنی ومفہوم میں اختلاف ہے۔ اہل سنت کے ہاں کسی خاص فن، خاص علم اور خاص طبقہ کے پیشوا یا موجد یا بہت بڑے عالم کو ''امام'' کہتے ہیں۔ جبکہ شیعہ کے ہاں امام اپنے عہد میں علی الاطلاق سب کا قائد اور معصوم ومنصوص ہوتا ہے۔ یعنی وہ گناہوں سے قطعاً منزاء، اللہ کا متعین کردہ اور کُلی اختیارات کا حامل اور عالم الغیب ہوتا ہے۔ لیکن اہلسنت کے ہاں ان اوصاف کے حامل صرف انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں، کوئی غیر نبی نہیں ہوتا۔

۷۔ اُم الھاد:

یعنی ہدایتوں یا ہدایت پائے ہوؤں کی والدہ۔[۱] اور اس سے مراد حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما وغیرہ ہیں۔

عربی میں ام کے معنی ماں کے بھی ہیں۔ اور بعض اوقات اس کے معنی انتہا، اصل، جڑ، اور بزرگی کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے ام الخبائث (برائیوں کی ماں یعنی شراب) ام الامراض (بیماریوں کی ماں یعنی قبض) ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ام الکتاب (قرآن مجید) وغیرہ۔

کریمۃ الطرفین:

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے القاب میں ایک لقب ''کریمۃ الطرفین'' بھی ہے۔ اس کے معنی ہیں ماں اور باپ دونوں کی طرف سے عالی نسب۔ آپ کے والد گرامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی بابت کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ آپ مصطفیٰ، مجتبیٰ، خاتم الانبیاء، خطیب الانبیاء، امام الانبیاء، اشرف الانبیاء، محبوب رب علا سب کچھ ہیں۔ آپ کی شان کما حقہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ آپ کے فضائل و کمالات کی ایک معمولی سی جھلک دیکھنے کے لیے ہماری مطبوعہ کتاب ''رہبر

(۱) تہذیب الاسماء واللغات ۲/۳۵۲۔۳۵۳

کامل صلی اللہ علیہ وسلم'' کا مطالعہ کریں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی والدہ کا اسم گرامی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کے باپ کا نام خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہؓ بنت اسد سردار عبدالمطلب کی وفادار محترمہ تھیں۔ یہ سردار ابوطالب کی زوجہ، حضرت علی، عقیل، اور شہید موتہ جعفر طیار اور طالب کی والدہ محترمہ تھیں۔ ان کے چار بیٹے اور ام ہانی (فاختہ) جمانہ اور ربطہ تین بیٹیاں تھیں۔ بقول علامہ ابن عبدالبر یہ پہلی ہاشمی خاتون تھیں جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئی۔ یہ شعر و ادب میں بھی درک رکھتی تھیں۔

ان کے علاوہ آپ کے یہ القاب و کنیٰ اور صفاتی نام بھی ملتے ہیں مثلاً:

سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ الْعَالَمِیْنَ (جہاں کی عورتوں کی سردار) سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ اَھْلِ

---

(۱) اصابہ، تہذیب التہذیب اسد الغابہ اور الاستیعاب وغیرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فاطمہ نام کی تاریخ اسلام میں بہت سی خواتین ہیں مثلاً : فاطمہ بنت حبیش، فاطمۃ بنت علی، فاطمہ بنت حسین، فاطمہ بنت عبیداللہ بن عباس، فاطمہ بنت ابی طالب (انہیں ام ھانی بھی کہتے ہیں)، فاطمہ بنت قیس، فاطمہ بنت ابی لیث، فاطمہ بنت منذر، فاطمہ بنت الیمان، فاطمہ بنت الولید، فاطمہ بنت ابی الاسد یا فاطمہ بنت الاسود (یہ وہی مخزومی فاطمہ ہیں جو چوری کے جرم میں پکڑی گئیں۔ قَالَ ابْنُ سَعْدِ فَاطِمَۃُ بِنْتُ الْاَسْوَدَ بْنَ عَبْدِالْاَسَدِ اَسْلَمَتْ وَ بَایَعَتْ وَ ھِیَ اللَّتِی سَرَقَتْ فَقَطَعَ النَّبِیُّ یَدَھَا' یہ پورا واقعہ صحیح بخاری، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی اور دارمی میں آتا ہے، فاطمہ بنت اسد بن ہاشم، فاطمہ بنت الاسود بن عبدالاسد، فاطمہ بنت جنید، فاطمہ بنت الحارث، فاطمۃ بنت حمزہ، قال ابن سکن تکنی ام الفضل، فاطمہ بنت الخطاب بن نفیل اخت عمرؓ فاطمہ بنت مسلم الاشجعیۃ، فاطمۃ الخزاعیہ فاطمہ بنت سودہ، فاطمہ بنت شریح، فاطمہ بنت شریک بن سحماء، فاطمہ بنت شیبہ، فاطمۃ بنت صفوان، فاطمہ بنت ضحاک، فاطمۃ بنت عامر، فاطمہ بنت عبداللہ (والدہ عثمان بن ابی العاص ثقفی)، فاطمہ بنت عتبہ ربیعہ، فاطمۃ بنت قیس، فاطمہ بنت المجلل بن عبداللہ، فاطمہ بنت منقذ، فاطمہ بنت ولید بن عتبہ، فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ، فاطمہ بنت یعار، فاطمہ بنت الیمان العبسیہ (اخت حذیفہ) (فاروقی)

الْجَنَّةِ (خواتین جنت کی سردار)

ان اسماء وکنیٰ وصفاتی ناموں سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر مسلمان عورت اور مرد کو اپنے بچوں اور بچیوں کے نام بہت اچھے رکھنے چاہئیں کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ نام اچھے اچھے رکھا کرو۔[1] اگر کسی کا نام بے معنیٰ ہوتا یا برا ہوتا تو حضور مقبول ﷺ اسے بدل دیا کرتے۔[2] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا نام بھی اس کے کام پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آج کل عام لڑکوں اور لڑکیوں کے نام اوٹ پٹانگ، بے معنیٰ، مہمل اور لغو سے رکھے جاتے ہیں جو عموماً کفار و مشرکین، خصوصاً اہل مغرب کی نقل یا چربہ ہوتے ہیں۔ اہل اسلام کو اپنی اولاد کے نام انبیائے کرام، اصحاب کبار اور امہات المومنین و صحابیات کے نام پر رکھنے چاہئیں۔ یا ایسے نام رکھے جائیں، جن میں عبدیت کا اظہار ہو مثلاً عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالقدوس، عبدالغفور وغیرہ۔ ایسے ناموں کو پیارے نبی اکرم ﷺ نے بہت پسند فرمایا۔

اسی طرح لقب بھی اچھے سے اچھا اختیار کرنا چاہیے۔ کنیت بھی عمدہ اور کسی خوبی کی حامل ہونی چاہیے۔ فضول اور نکمے القاب ناپسند و نامرغوب کنیتیں بالکل عبث ہوتی ہیں۔ اور ان سے کوئی خوبی و خصوصیت نمایاں ہونے کی بجائے الٹا مذاق ہوتا ہے اور لوگ بھی ایسے لقبوں اور کنیتوں کو پسند نہیں کرتے۔

یہ بات بھی ذہن نشیں رکھیے کہ اگر آپ کا نام اچھا ہے، تو کام بھی اچھے کیجیے۔ نیک اور صالح بنیے۔ اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہو جائیے۔ اسی طرح اگر آپ کی اولاد کے نام عمدہ و پسندیدہ ہیں تو اسے ایسی تعلیم اور ایسی تربیت دیجیے کہ وہ نری طالب دنیا اور بندۂ زر نہ بن جائے بلکہ کچھ

---

(۱) ابوداؤد: الادب: باب فی تغییر الاسماء۔ ح ۴۹۴۸، بحوالہ تاریخ دمشق

(۲) بخاری۔ الادب: باب تحویل الاسم الی اسم احسن منہ ح ۶۱۹۱۔ ۶۱۹۳

عاقبت کے لیے بھی توشہ بنائے۔ اور یہ اچھے عملوں ہی سے بن سکتا ہے۔ دیکھیے! فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام ان کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی اچھا رکھا۔ تو انہیں تعلیم وتربیت بھی بہت ہی اچھی دی۔ اور وہ اپنے حسن سیرت اوراعلی خصائل کی وجہ سے دونوں جہان کی عورتوں کی سرداراور جنتی عورتوں کی فرمانروا بن گئیں۔ سبب اس کا یہی تھا کہ جیساان کا نام پاکیزہ تھا' ویسے ہی انہوں نے اعمال بھی پاکیزہ کیےاوراللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے عزت وفضیلت کے سندیں حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق بخشے۔ آمین۔

بچپن

سیدہ دو عالم فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا چونکہ عمر میں سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اس لیے جناب رسول اللہ ﷺ کی بہت ہی پیاری تھیں۔ حضور ﷺ انہیں گود میں بٹھاتے اور کبھی اٹھا کر لیے پھرتے۔ والدین انہیں جو لوریاں دیتے۔ وہ ایسی لوریاں نہ تھیں کہ بے معنی اور اوٹ پٹانگ ہوں۔ جیسی ہم اپنے بچوں کو دیتے ہیں۔ وہ تو کہتے:

فاطمہؓ! اللہ کا نام لے کر سو جاؤ اور اللہ کا نام لے کر جاگو۔ تم اللہ کے حکم سے باتیں سیکھو گی اور اللہ ان میں اثر ڈالے گا کہو فاطمہؓ! اَللّٰہ اُحَدٌ وَاحِدٌ. لَا اِلَہَ غَیْرُکَ. لَا اِلَہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ. پڑھو بیٹی! سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ.

کچھ اسی قسم کی لوریاں ہوتی تھیں جو سیدہ فاطمہؓ کو دی جاتی تھیں، اور یہ لوریاں بھی حقیقت میں تعلیم دین کی سرمایہ دار تھیں گویا بچپن اور بے شعوری ہی میں بنتؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی توحید، اللہ کی عبادت و معبودیت، اللہ کی حمد و ثنا اور صفات وغیرہ کا سبق پڑھایا جاتا تھا۔ تاکہ بڑی ہو کر وہ سچ مچ سَیِّدَۃُ النِّسَآءِ الْعَالَمِین (سب جہانوں کی عورتوں کی سردار) بن جائے اور جنت میں بھی تمام جنتی مستورات پر ایک گونہ فضیلت کی حامل ہو جائے۔

ہم مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اپنے بچے اور بچیوں کو ایسی ہی لوریاں دیں اور

بے سروپا واہیات لوریوں سے ان کی زندگی اوران کی عاقبت خراب نہ کریں۔ یادرکھو جو کچھ ماں باپ کہتے اور کرتے ہیں۔ وہ بچے کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتا ہے۔ اور بڑا ہوکر وہ بھی اس کی نقل اتارنے لگتا ہے۔ پس بچے کوشروع ہی میں ایسی تعلیم دینی چاہیے کہ وہ سیانا ہوکر نیک' صالح اور متقی بن جائے۔ اسی لیےتو اسلام نے حکم دیا ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہوتو اس کے کان میں اذان کہی جائے[۱] تاکہ تولد ہوتے ہی اس کے پردہ گوش سے جو پہلی آواز ٹکرائے' وہ اسلامی تعلیم سے متعلق ہو۔ اللہ تعالیٰ عَزَّ اِسْمُہٗ کی بڑائی اور کبریائی' تفرید و یکتائی عبادت و ریاضت' اس کے نبی کی رسالت وغیرہ سے متعلق ہو'اوروہ دنیا میں پہلا سانس لےتو فرزند اسلام بن کرلے۔

سیدہ فاطمہؓ بھی عمر کی نویں بہار دیکھ رہی تھیں کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا دنیاد نی کو چھوڑ کر فردوس بریں کو چلی گئیں۔ اور سیدہ اپنی محبوب ماں کی آغوش شفقت سے محروم ہوگئیں۔ نو سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے؟ اس ننھی سی عمر میں تو بچہ دنیا کے نشیب وفراز نہیں جان سکتا[۲]۔ اوراسے ماں کے زیر تربیت پلنے پسنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح فاطمہ کے شفیق باپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مربیوں اور نگہبانوں یعنی والدہ دادا' چچا وغیرہ کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ اسی طرح ان کی بیٹی بھی پیاری ماں کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئی۔ فاطمہؓ کے سر پر تو پھر اس باپ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ رحمت وشفقت تھا جو سید المرسلین' خاتم النبین اور ساری دنیا کا معلم ومبلغ تھا۔ مگر ان کے والد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) یتیم و بےکس' بے یار و مددگار' یکہ وتنہا رہ گئے تھے۔ اس حالت میں چاروں طرف بدترین دشمنان دین آپ کوقتل و ہلاک کرنے پر تلے کھڑے تھے۔ اس وقت ان کا اللہ کے سوا کون تھا؟۔ قرآن کریم

(۱) -ابوداوٗد' الادب: باب فی الصبی بولد فیوذن فی اذنہ ص ۵۱۰۵

(۲) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات بعثت نبوی کے دسویں سال ہوئی تھی اس وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال تھی۔ (فاروقی)

نے کہا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ' کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟

اور اس بات کو کسی نے یوں ادا کیا ہے کہ ع

جس کا کوئی نہ ہو اس کا خدا ہوتا ہے

جس اللہ نے آپ کو قاتلوں اور دشمنوں سے بچا کر دونوں جہانوں کا سردار بنایا۔ اسی اللہ نے ماں کے سایہ شفقت کے بغیر فاطمہؓ کو باپ کی تربیت میں رکھ کر دونوں جہانوں کی عورتوں کا سردار بنا دیا اور ثابت کر دیا کہ انسان میں بڑھنے' پھولنے' ترقی کرنے' نیک بننے' اور اچھے عمل کرنے کی صلاحیت ہو' تو اس کا خالق اس کے لیے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ یتیمی اور بے بسی کی حالت میں بھی دنیا و عقبیٰ کا فرمانروا (حکمران) بن سکتا ہے سچ ہے کہ ع

بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے

آپ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہو گا کہ سیدہ محترمہ رضی اللہ عنہا کو بچپن ہی میں دنیا اور علائق دنیا سے کوئی محبت نہ تھی۔ طبیعت شروع ہی میں نہایت متین و سنجیدہ تھی۔ بے محل ہنسنا' بے وجہ رونا' چلّانا اور شور مچانا' جیسا کہ ننھے بچوں کی عادتیں ہوتی ہیں ان میں بالکل نہ تھیں۔ سہیلیوں اور ہمجولیوں کے ساتھ کھیلنا کودنا تو الگ رہا' ان سے زیادہ میل ملاقات اور خواہ مخواہ گھومنا' پھرنا' اٹھنا' بیٹھنا پسند نہ کرتی تھیں۔ ان کی ہم عمر لڑکیاں گڑیاں لیے پھرتیں' گیند اچھالتیں' جھولے جھولتیں' گلی کوچوں میں پھرتیں' تماشے دیکھتیں' سارا سارا دن کھیلنے اور شرارتیں کرنے میں گذار دیتیں مگر سیّدہ فاطمہؓ گھر میں گھر کے کام کاج میں لگی رہتیں۔ نہ کسی سے تعلق نہ واسطہ' نہ شوخی نہ شرارت۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گھر میں ہیں ہی نہیں۔ بولنے کو بہت دل چاہا تو یوں کہا' کہ ماں باپ نے لوری کے جو پاک الفاظ کانوں میں پہنچائے تھے وہی دہرا دیئے۔ دنیا اور اہل دنیا سے اسی بے تعلقی کی وجہ سے ان کو ''بتول'' کہا جانے لگا۔ یعنی وہ خوش نصیب خاتون جس کا

اللہ کے سوا کسی سے تعلق نہیں ہے۔

ان میں شرم و حیا بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چھوٹی سی بچی ہی تھیں کہ پردے میں رہنے لگیں۔ کیا مجال جو ننگے منہ باہر نکلیں۔ کبھی گھر سے نکلنا بھی پڑا تو منہ پر نقاب ہوتی' بدن پر چادر۔ بازاروں اور کوچوں میں گھومنا پھرنا پہلے ہی ناپسند تھا۔ گفتگو میں بڑی متانت تھی۔ جو بات کرتیں۔ جچی' تلی' معقول و مختصر ہوتی۔ ٹھہر ٹھہر کر بولتیں' نرمی اور آہستگی سے بات کرتیں حافظہ بلا کا تھا جو بات ایک دفعہ سن پاتیں دماغ پر نقش ہو جاتی۔ [1]

غور کیا جائے تو یہ کوئی حیران ہونے کی بات نہیں کہ سیدہ فاطمہؓ میں اتنی چھوٹی سی عمر میں یہ عادات و صفات کیوں کر پیدا ہوگئیں۔ جب ان کے والد ﷺ بچپن ہی میں تارک دنیا تھے۔ جہاں کے کاموں اور جہان والوں سے دور رہتے تھے۔ کسی کھیل کود اور کسی بازیچہ و تماشا میں حصہ نہ لیتے تھے۔ ننگے بدن باہر نہ پھرتے تھے۔ بازاروں اور گلیوں میں بے ضرورت نہ گھومتے تھے۔ بے معنی و بے مطلب گفتگو نہ کرتے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر بولتے تاکہ سننے والے کو پوری سمجھ آئے اور مدلل و معقول باتیں کرتے تھے۔ تو بیٹی میں یہ خصائص و فضائل کیوں نہ پیدا ہوتے؟ یوں بھی جس بچی کو گود اور پنگھوڑے میں ہی دینی تعلیم ملی ہو۔ اور اسے اللہ اور اس کے احکام سے روشناس کرایا گیا ہو وہ بچپن ہی کی عمر میں باپ کا نقش ثانی کیوں نہ بن جاتی؟

یہ بنت رسول اللہ ﷺ قدرتی طور پر چہرہ مہرہ بھی محترم باپ ﷺ ہی کا

(۱) ضعف دماغ اور کمزوریٔ حافظہ کی عام شکایت کی جاتی ہے لیکن ضروری ہے کہ ہم اس کے علل و اسباب پر غور کریں۔ عمومی علل و اسباب یہ ہیں' (۱) کہ ہم بکثرت جرائم و معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ (۲) دنیا کے بے شمار مسائل سر لے رکھے ہیں۔ (۳) حلال کمائی کا اہتمام نہیں کرتے۔ (۴) قرآن و سنت سے نفور ہیں...... ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ان باتوں کا اہتمام کیا جائے گا تو دماغ اور قوت حافظہ پر خاطر خواہ اثر پڑے گا۔ ان شاء اللہ (فاروقی)

رکھتی تھیں۔ وہی نقش و نگار، وہی خد و خال، وہی رنگ ڈھنگ، وہی چال ڈھال، وہی طرز کلام۔ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوتا۔ وہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو دیکھتا تو فوراً پہچان لیتا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔

محترمہ سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا کے حالات طفلی میں بھی مسلمان مردوں عورتوں کے لیے بہت سے قیمتی اسباق پوشیدہ ہیں مثلاً:

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جاہل مرد اور احمق عورتیں لڑکی کی پیدائش پر سوگ میں پڑ جاتی ہیں۔ اور ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ وہ بیٹی کو منحوس خیال کرتی ہیں، اس کو آفت اور بلائے ناگہانی سمجھتی ہیں۔ اور اسی خیال سے بعض وقت اس کو مار دینے پر تیار ہو جاتی ہیں۔ بلکہ کئی بداندیش اس کو ہلاک بھی کر دیتے ہیں اور اس طرح عرب کے زمانہ جاہلیت کی رسم کو تازہ کرتے ہیں۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پیشتر جاہل و احمق اہل عرب میں یہی رواج تھا۔ حالی مرحوم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کسی گھر میں پیدا جو ہوتی تھی دختر
تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

لیکن جب حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا، تو اس قسم کی بے رحمی کو کبیرہ گناہ قرار دے کر حکماً اس سے منع کر دیا گیا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بیٹیاں پیدا ہوئیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیدائش پر رنج و افسوس کرنے کی بجائے خوشی کا اظہار فرمایا، ان کو گود میں لیا، پیار کیا، پالا پوسہ، اچھی تعلیم دی، عمدہ تربیت

فرمائی۔ اور امت کو سبق دیا کہ لڑکی آفت نہیں ہوتی بلکہ رحمت ہوتی ہے۔ اور اپنے ساتھ کئی رحمتیں اور برکتیں لاتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ جس کسی کے گھر میں لڑکی ہو اور وہ جوان ہونے تک اس کو نیک نیتی اور خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے پالنا شروع کرے۔ اسے اچھا کھانا اور کپڑا دے۔ اس کی اچھی تربیت کرے اور اللہ تعالیٰ اسے اجر عظیم دیتا اور اس کے بہت سے گناہ معاف کرتا ہے۔[1] ایک حدیث میں ہے کہ اگر کسی نے ایک لڑکی کو پال پوس کر فی سبیل اللہ بیاہ دیا تو وہ اس کی نجات کا ذریعہ ہو جائے گی۔ اور حضور اکرم ﷺ کی سنگت نصیب ہو گی۔[2] پس اہل اسلام کو حضور ﷺ ہی کے اسوہ و طریقہ پر چلنا اور حضور رسول مقبول ﷺ کی پیروی کرنا چاہیے۔

دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہو۔ چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا' تو اس کے کانوں میں لاشعوری و نافہمی کی حالت میں بھی اچھے کلمات اور اچھی باتیں پہنچنا چاہئیں۔ کم از کم اس کے سامنے بری گفتگو اور برے کام سے پرہیز کیا جائے۔ اور یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ابھی بے سمجھ ہے' اسے ہماری باتوں اور ہمارے کاموں کا کیا علم ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ نفسیات کے ماہرین کے بقول جو کچھ گھر کے لوگ کہیں اور کریں گے۔ بچے کے دل و دماغ پر اس کا اثر ضرور پڑے گا۔

تیسرا سبق یہ ہے کہ بچے کو چھوٹی سی عمر میں ہی اسلامی تعلیم و آداب سکھانا چاہیے اور مناسب طریق سے اس کو ٹریننگ شروع کر دینی چاہیے۔ تا کہ جیسے جیسے وہ بڑھتا جائے ساتھ ہی ساتھ نیکی و بدی میں تمیز کرنا شروع کر دے۔ اچھے برے کام کو سمجھتا سیکھتا جائے۔ اور سن شعور کو پہنچنے تک اس کو اسلام کے موٹے موٹے اصول و

(۱) ابن ماجۃ الادب: باب برالوالد والاحسان الی البنات ح ۳۶۶۹ لیکن اس میں تین بیٹیوں کا ذکر ہے۔ اور دوسری صحیح حدیث میں ایک بیٹی کا ذکر بھی ہے۔

(۲) طبرانی فی الکبیر ۱۸/۵۶

قواعد سے واقفیت ہو جائے۔

اس کے علاوہ بچوں کو کھلا اور آزاد نہ چھوڑ دینا چاہیے کہ جوان کے جی میں آئے کرتے پھریں اور کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ بلکہ اسے پیار کے ساتھ روک ٹوک بھی کریں۔ کبھی کبھی بوقت ضرورت اس کی ڈانٹ ڈپٹ بھی کریں۔ بچپن کا زمانہ بے شک آزادی اور بادشاہی کا زمانہ ہوتا ہے مگر یہ آزادی جائز حد تک ہونی چاہیے۔ یہ تو نہیں کہ بچہ کھیلتا ہے تو سارا دن کھیل کود ہی میں گزار دے۔ تماشے اور میلے دیکھنے کی لت پڑی ہے تو انہی کا شوقین ہو جائے۔ بازاروں اور گلی کوچوں میں گھومتا ہے تو گھومتا پھرے اور گھر آنے کا نام ہی نہ لے۔ ننگا دھڑ نگا باہر کے چکر کاٹتا پھرے اور اس طرح بری عادتیں اور بد خصلتیں اس میں ایسی گھر کر جائیں کہ پھر بڑا ہو کر اس کی اصلاح ہی نہ ہو سکے۔ بلکہ اس پر گہری نظر رکھیں۔ اور اسے بروقت درست سمت پر ڈال دیں۔ بیٹیوں کا تو خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے۔ انہیں بالکل ننگا یا نیم عریاں نہ رکھیں۔ زیادہ باہر نکلنے سے روکیں۔ گھر میں بیٹھنے اور گھر کا کام کاج کرنے کی عادت ڈالیں۔ پردے میں رہنے اور پردہ کرنے کی تعلیم دیں۔ کھیل تماشوں' سینما اور اس طرح کے ڈراموں میں انہیں ہرگز نہ جانے دیں۔ اور حضرت فاطمہؓ کے بچپن پر غور کریں کہ کس طرح چھوٹی سی عمر میں انہوں نے سب باتیں سیکھ سمجھ لیں جو بڑی ہونے پر ان کے کام آئیں۔ اور کام بھی ایسی کہ ان کی بدولت دین و دنیا کی سب فضیلتیں اور عزتیں انہیں مل گئیں۔ ہم بھی کوشش کریں اور اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر شروع ہی سے توجہ دیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بھی بلند مرتبے ملیں۔ اور ہماری اولاد ہمارے لیے باعث فخر بن سکے۔

تعلیم و تربیت

جناب رسول اللہ ﷺ نے، جو دنیا کے سب سے بڑے معلم، استاد اور پرنسپل تھے۔ اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ[1] "یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔ حضرت رسول مقبول ﷺ نے علم پڑھانے اور علم پڑھنے پر زور دیا ہے۔ بلکہ استاد اور طالب علم دونوں کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے۔

تحصیل علم سے یہ مراد نہیں کہ مسلمان اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو کسی ایسے سکول، کالج اور یونیورسٹی میں داخل کرا دیں جہاں مغربی طرز کی تعلیم دی جاتی ہو اور یورپی طریق تعلم جاری ہو، نہیں، اسلام میں علم سے مراد دینی علم ہے اور مسلمان مردوں عورتوں، بیٹوں، بیٹیوں کو یہی علم حاصل کرنے کی تاکید و ہدایت کی گئی ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جہاں علم کی فضیلت وارد ہوئی ہے اس سے مراد یہی علم ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی ان کے مقدس باپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی دینی تعلیم دینا شروع کی تھی۔ یوں تو سیدہ کی ولادت، سکونت، سوسائٹی، صحبت، رہن سہن، اٹھنا بیٹھنا، بولنا چالنا سب کچھ اسلام ہی کے مطابق تھا۔ اور اپنے گردوپیش وہ ہر بات کا ایک ایک لفظ دین ہی سے متعلق سنتی تھیں۔ ہر فعل اور ہر عمل شریعت ہی کا دیکھتی تھیں مگر یہ نا کافی تھا۔ رسول مقبول ﷺ نے ان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ اپنے سر لیا اور سکھانا پڑھانا شروع کر دیا۔

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بنت رسول (ﷺ) کے کانوں میں پیدا ہوتے ہی

---

(۱) ابن ماجہ، المقدمہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ص ۲۲۴

صرف وہی آوازیں اور وہی باتیں پہنچتی تھیں جو اللہ' نبی اور شریعت سے متعلق ہوتی تھیں۔ ظاہر ہے خانہ نبوت میں غیر شرعی باتیں کیسے آ سکتی تھیں؟ یہاں تک کہ ان کو جو لوریاں دی جاتی تھیں ان میں بھی دینی تعلیم ہی ہوتی تھی۔ لیکن جب وہ ذرا سن شعور کو پہنچیں تو ان کی طرف خاص توجہ دی جانے لگی' ان کے ہر لفظ' ہر حرکت' ہر کام ہر بات پر نگرانی ہونے لگی۔ ہر قسم کے آداب و قواعد سکھائے جانے لگے۔ کہ یوں بولنا ہے' یوں بات کرنی ہے۔ یہ کہنا ہے یوں بلانا ہے۔ یہ کرنا ہے' اور یہ نہیں کرنا' اس طرح بیٹھنا ہے' اس طرح اٹھنا ہے۔ اس طرح چلنا ہے' اس طرح سونا ہے' اس طرح جاگنا ہے۔ فلاں کام فلاں وقت میں کرنا ہے۔ اور یوں کرنا ہے۔ فلاں کام کا موقعہ محل یہ ہے۔ فلاں کا موقع و محل یہ نہیں ہے۔ فلاں عمل موجب ثواب ہے۔ فلاں باعث عذاب ہے۔ فلاں جائز ہے فلاں ناجائز ہے۔ اس سے گناہ ہوتا ہے' اس سے نیک اجر ملتا ہے۔ غرض بچپن ہی میں یہ معصوم بچی یوں تعلیم پا رہی تھی جیسے کسی ٹریننگ کالج یا دارالعلوم میں پڑھائی اور سکھائی ہوتی ہے۔ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے؟ جب دنیا کا معلم اخلاق و تہذیب خود اس معصومہ کا استاد تھا تو وہ ننھی سی عمر میں کیوں کسی بات اور کسی کام کو سمجھنے میں پیچھے رہتی؟

حضور ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ اپنا ہو یا بیگانہ' دوست ہو یا دشمن' رشتہ دار ہو یا غیر' ذرا کسی سے لغزش ہوتی تو فوراً اسے متنبہ فرماتے اور اصلاح کر دیتے۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تو ان کے اپنے ہی جسم کا ایک ٹکڑا تھیں' یہ کب ممکن تھا کہ سیدہ کوئی غلطی کریں اور حضور ﷺ چپ رہیں۔ ان سے ذرا سی کوتاہی ہوتی تو حضور ﷺ اسی وقت آگاہ فرما دیتے۔ جو بات آپ ﷺ کو ناگوار گزرتی فوراً روک دیتے۔ جو کام ناپسند ہوتا اس کا صحیح طریقہ بتا دیتے۔ اور ساتھ ہی سمجھا دیتے کہ اگر یہ کام یوں کیا جائے تو اللہ خوش ہوتا ہے۔ یوں کیا جائے تو اللہ ناراض ہوتا ہے۔ نیز اس سے دین و ایمان میں بھی خلل آتا ہے۔ اسی کو تربیت کہتے ہیں یہ بچپن ہی سے ہونی چاہیے۔

یہ تو معلوم ہوگا! کہ نو سال کی عمر میں سیدہ عالم رضی اللہ عنہا والدہ مکرمہ کی آغوش سے محروم ہوگئی تھیں۔ اس حالت میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد اور ان کی ہمشیرہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے جو رشتہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں تھیں، فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا یعنی ان کی پرورش کی اور خوب خوب کی۔

یہ دونوں خواتین بڑی دانا اور تجربہ کار تھیں۔ خانہ داری اور دوسرے دنیاوی کاموں میں بہت سلیقہ شعار اور ماہر کامل تھیں۔ ان دونوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھریلو کاموں اور دوسرے دنیوی امور میں ٹریننگ دینا شروع کی۔ یعنی علوم دینیہ کی تعلیم و تربیت خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دیتے تھے اور خانگی اور دنیوی کاموں کی سکھلائی والدہ علیؓ فاطمہ بنت اسد اور ان کی بہن ام ہانی کے ذمہ تھی۔ ان دونوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تھوڑی ہی مدت میں ماہرہ کاملہ بنا دیا اور گھر کے تمام اونچ نیچ سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ دختر رسولؐ ابھی زیادہ بڑی نہیں تھیں کہ عام ذمہ داریوں کو سمجھ کر گھر کا چارج سنبھال لیا۔ اور سارے کام اپنے مبارک ہاتھوں سے کرنے لگ گئیں۔

مسبب الاسباب جل شانہ کی قدرت و حکمت دیکھیے کہ دین کے معاملہ میں تو وہ مقدس باپ ملا۔ جس نے معلم و مبلغ کی حیثیت سے اپنی محبوب ترین بیٹی کو ایسی تعلیم و تربیت دی کہ وہ سَیِّدَۃُ النِّسَاءِ الْعَالَمِیْنَ [1] اور خواتین جنت کی سردار بن گئیں اور دنیوی معاملات میں وہ تجربہ کار اور ماہر معلمات دستیاب ہوئیں جنھوں نے ایک مختصر سی سکھلائی میں اس سیدہ افتخار دو عالم کو اس قدر کامل و اکمل کر دیا کہ جس عمر میں عام لڑکیوں کو پاکی اور پلیدی میں خاطر خواہ تمیز نہیں ہوتی، نہ امور خانہ داری کا طریقہ جانتی ہیں۔ اس عمر میں یہ معصومہ سارے گھر کی انچارج اور مختار کار بن گئیں۔

سچ ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات!" جس میں کوئی صلاحیت، خوبی اور

---

(۱) صحیح بخاری الاستیذان باب من ناجی بین یدی الناس ۶۲۸۵، ۶۲۸۶۔

خصوصیت ہوتی ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ اسباب بھی ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فاطمہؓ چونکہ شیر خوارگی ہی میں بے مادر ہو گئی تھیں اس لیے انہیں جبراً گھریلو کام سکھائے گئے وہ اسی لیے چھوٹی سی عمر میں خانہ داری سے واقف ہو گئیں اور طوعاً و کرہاً انہیں اتنی سی عمر میں گھر کا کام کاج سنبھالنا پڑا۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے اس لیے کہ عام مشاہدہ کی بات ہے جن لڑکیوں کی مائیں چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتی ہیں۔ وہ کچھ سیکھنے پڑھنے کی بجائے پہلے سے زیادہ آزاد بے باک اور شوخ ہو جاتی ہیں اور کام کرنے کا نام نہیں لیتیں۔ ہاں! مگر وہ خوش نصیب لڑکیاں جو ماں کی گود سے محروم ہونے کے باوجود اعلیٰ تربیت پاتی اور دولت تعلیم سے مالا مال ہوتی ہیں، کم سنی میں بھی اپنے کمال فن کے جوہر دکھاتی ہیں۔ اور اللہ کا فضل و کرم ان پر سایہ افگن رہتا ہے۔ چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ایسی ہی ایک فرخندہ اختر بچی تھیں۔ جن کی تعلیم و تربیت بچپن ہی میں پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور وہ صغر سنی میں چراغ خانہ بن گئیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عرب چونکہ گرم ملک ہے۔ اس لیے اس آب و ہوا میں چھوٹی عمر کی لڑکیاں جلد عورتیں بن جاتی ہیں۔ چنانچہ وہاں آٹھ دس سال کی اور زیادہ سے زیادہ بارہ سال کی لڑکی اچھی خاصی جوان نظر آتی اور شادی و اولاد کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بچپن کی عمر میں گھر کا چارج لے لیا ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن یہ بات بھی غلط ہے۔ مانا کہ گرم ملکوں کی لڑکیاں ہمارے یہاں کی لڑکیوں کی بہ نسبت جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔ لیکن جسامت میں بڑا ہونا اور شے ہے اور قابلیت میں آگے بڑھنا اور چیز ہے۔ بقول شخصے ؎

آدمیت اور شے ہے، عقل ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطی کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں اونچے اور اعلیٰ گھرانوں کی دس دس، پندرہ پندرہ

علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔ مگر آج تو اس کے برعکس عمل ہو رہا ہے۔ بیٹے تو رہے ایک طرف بیٹیاں بھی مغربی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ بقول اکبر الہ آبادی ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈ لی قوم نے ''فلاح'' کی راہ

اِنَّا لِلّٰہ! اس کے علاوہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے یہ حالات ہمیں بتاتے ہیں کہ اگر شیر خوار اور کم سن بچے کو بھی اعلیٰ تعلیم اور عمدہ تربیت دی جائے تو وہ چھوٹی سی عمر میں اتنا کچھ پڑھ اور سیکھ جاتا ہے کہ بڑی عمر کا بچہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ابھی تھوڑی ہی مدت ہوئی ہے، ہم نے لاہور میں چھ سال کے ایک عرب بچے کو دیکھا جس نے سارا کلام اللہ شریف حفظ کر رکھا تھا۔ وہ قرآن کریم اتنی خوش الحانی، صحت اور صفائی سے تلاوت کرتا تھا کہ غیر مسلم بھی مسحور و متأثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔ جب اس کے حالات سنے تو معلوم ہوا کہ اس نے چار سال کی عمر میں کلام پاک ختم کر لیا۔ اور پھر دو سال میں اس کو زبانی بھی یاد کر لیا۔ (۱)

بچے کا دماغ ایک آئینے کی مانند ہوتا ہے۔ جو کچھ سامنے ہو گا وہی کچھ آئینے میں دکھائی دے گا۔ اگر اسے رگڑ مانجھ کر صاف رکھا جائے گا تو چمکیلا اور مجلّٰی رہے گا۔ ورنہ زنگ کھا کر بیکار ہو جائے گا۔ پس اگر شروع ہی میں بچے کی اچھی تربیت کی جائے، اسے اچھا علم پڑھایا جائے تو اس کا دماغ سلجھ جائے گا۔ اور کسی وقت دین و قوم میں نام پائے گا۔ اور سب کو نفع پہنچائے گا ورنہ سب کے لیے پریشانی اور سبکی کا باعث بنے گا۔

کاش! کہ ہمارے بھائی اور بہنیں بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں۔ اور انہیں مذہب و ملت کے لیے مفید و نفع بخش بنائیں۔

---

(۱) پچھلے دنوں تنزانیہ کا چار پانچ سال کا بچہ اگر قرآن پڑھتا اور اجتماعات میں تقریر کرتا تھا تو اس میں اتنا بڑا کوئی عجوبہ نہیں کہ پوری دنیا کو حیران پریشان کر دیا جائے۔ جب اس واقعہ کی بابت معلومات فراہم ہوئیں تو اندر کھاتے قادیانیوں کی کارستانی معلوم ہوئی۔ کہ عظمت اسلام کے نام پر اپنی دھاک بٹھا کر لوگوں کو ''قادیانی ازم'' کی طرف لانا چاہتے تھے۔ (فاروقی)

سال کی شہری لڑکیاں اور اٹھارہ اٹھارہ' بیس بیس سال کی دیہاتی اور بڈ ولڑکیاں ایسی نظر آتی تھیں جو بالغ تو کبھی کی ہو چکی تھیں مگر عقل وفہم سے بالکل ہی کوری تھیں۔ گھر کا کوئی کام نہ کر سکتی تھیں۔ تعلیم سے بالکل عاری تھیں۔ کھیل کود اور میلوں تماشوں میں وقت گذارتی تھیں۔ فضول باتوں اور بے ہودہ کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ جیسے کہ ہمارے ہاں ایسے بہت سے نمونے مل جاتے ہیں۔ آخر وہ بھی تو فاطمہؓ ہی کی ہمعصر تھیں۔ مگر رسول ﷺ کی دختر نیک اختر کو کچھ ایسی تعلیم وتربیت ملی کہ وہ کم سنی ہی میں دینؔ و دنیا کے جملہ امور و معاملات سے واقف ہو گئیں۔ اور اس کے برعکس دوسری لڑکیوں کو پڑھنے سیکھنے کا موقع ملا' نہ ان میں کوئی شوق تھا۔ لہٰذا وہ جوان ہونے کے باوصف بھی نادان اور انجان ہی رہیں۔

بہر حال فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جس اعلیٰ طریق سے تعلیم وتربیت پائی ہے۔ اس سے بھی ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے اور سیکھ سکتے ہیں۔ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں آج کل جو بے دینی اور مذہبی بے رغبتی پھیلی ہوئی ہے' اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کو شروع ہی میں دینی تعلیم نہیں دیتے۔ بس بچے نے ذرا ہوش سنبھالا تو اسے کسی انگریزی سکول میں داخل کرا دیا۔ وہاں سے فارغ ہوا تو کالج میں لے دوڑے' اس پر بھی صبر نہ آیا تو کسی مغربی ملک میں بھیج دیا۔ جہاں جا کر اس کا رہا سہا دین و ایمان بھی غرق ہو گیا۔ دنیوی علوم وفنون کی تحصیل کوئی بری چیز نہیں مگر اسلام نے ہدایت فرمائی ہے کہ علم دین کو مقدم سمجھو۔ اور دوسرے تمام علوم وفنون کو اس کے تابع رکھو۔ مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے علاوہ جو باقی علوم ہیں وہ اگر حاصل کرو تو صرف اس لیے کہ ان سے دین وملت کو تقویت پہنچے۔ اور وہ قوم و مذہب کے فائدے اور نفع کے لیے ہوں۔ اگر محض ذاتی منفعت اور دنیوی عزوجاہ کے لیے انہیں حاصل اور خرچ کرنا ہے' تو یہ بات اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ

باپ، بیٹی کی محبت

قربان جایئے رسول اللہ ﷺ کے ہر ایک عمل اور ہر ایک طریق پر کہ آپ ﷺ کی جو بات تھی سب سے نرالی اور سب سے پیاری تھی۔ جو کام تھا سب سے جدا اور سب سے محبوب تھا۔ آنحضور ﷺ جس سے محبت کرتے تھے اور نہایت مخلصانہ کرتے تھے۔ اس محبت کا رنگ بھی عجیب ہوتا تھا۔ آپ جس شخص سے ملتے وہ یہی سمجھتا کہ جتنی الفت آپ ﷺ کو مجھ سے ہے اتنی اور کسی سے نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے اصحاب کبارؓ اور فدا کار رضی اللہ عنہم، جو آپ ﷺ پر جان چھڑکتے اور تن من دھن نثار کرتے تھے، سب ہی آپ ﷺ کے دوست اور محبوب تھے۔ مگر ان میں سے ہر ایک یہی خیال کرتا تھا کہ جس قدر محبت آپ ﷺ مجھ سے کرتے ہیں کسی دوسرے سے نہیں کرتے۔ اور آپ کی توجہ سب سے زیادہ میری ہی طرف ہے۔

یہی حال آپ کے اعزاء و اقارب اور آل اولاد کا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ سب سے ہی محبت فرماتے تھے۔ اور اس میں اپنی طرف سے کوئی امتیاز و فرق روا نہ رکھتے تھے۔

ہاں! ایک فرق ضرور تھا۔ اور وہ یہ کہ حضور ﷺ کو کام پیارا تھا چام پیارا نہ تھا''۔ جس کو دین کا علم سب سے زیادہ ہوتا، جس کے عمل سب سے اچھے ہوتے، جس کو اللہ اور اس کے رسول سے سب سے زیادہ لگاؤ ہوتا، جو کتاب و سنت کی سب سے

زیادہ اطاعت کرتا' جو اللہ اور نبیؐ کے احکام پر سب سے زیادہ سر جھکاتا' اس کو حضور ﷺ سب سے محبوب وعزیز رکھتے۔ اور اسی کی زیادہ قدر افزائی فرماتے تھے۔

پس آنحضرت ﷺ کو اگر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اور آپ ان کو اگر ساری اولاد سے بڑھ کر محبوب وعزیز رکھتے تھے تو اس کا بنیادی سبب وہی تھا جو اوپر مذکور ہوا۔ یعنی سیدہ محترمہ چونکہ والد گرامی ﷺ ہی سے تعلیم وتربیت یافتہ تھیں۔ اور آپ ﷺ کے بلند ترین مقام کو سمجھ کر ہر بات اور ہر کام میں ان کے نقش پا پر چلتی اور انہی کی پیروی کرتی تھیں۔ اس لیے آنحضرت ﷺ بھی انہیں سب سے پیارا سمجھتے اور ان کی قدر و توقیر فرماتے تھے۔

ایک باپ کو اپنی بیٹی سے اور ایک بیٹی کو اپنے باپ سے دنیاوی رسم ورواج کے مطابق یا جسمانی اور خونی رشتے کے لحاظ سے جو محبت ہوتی ہے وہ تو ہوتی ہی ہے۔ لیکن یہاں تو دین وشریعت کا معاملہ بھی ساتھ تھا۔ فاطمہؓ چونکہ نہایت صالح ومتقی' نیکوکار وشب زندہ دار' فرمانبردار اور عبادت گذار تھیں۔ اللہ اور رسول ﷺ کے ہر حکم پر چلتی تھیں۔ اللہ اور اس کے نبیؐ کو خوش رکھتیں اور ان کی خوشی میں بے پناہ مسرت محسوس کرتی تھیں۔ اس لیے باپ بیٹی کی محبت آخری درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ جب تک یہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ نہ لیتے صبر وقرار نہ آتا۔

سچ پوچھئے تو یہ دین کا معاملہ بھی بڑا ہی نازک اور اہم معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ وپسندیدہ بندے ہر آن یہی چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اللہ کے سچے اور پاک مذہب کی پیروکار نظر آئے۔ وہ دنیا کی کسی چیز کو حتیٰ کہ والدین' اعزاء واقارب آل اولاد کو بھی اپنے مذہب سے عزیز نہیں سمجھتے۔ اور اس کو بھی اپنے دین کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ یاد ہوگا کہ یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند جناب یوسف علیہ السلام کی فرقت میں عرصہ دراز تک تڑپتے رہے۔ اور ان کی جدائی میں رو رو کر آنکھیں کھو بیٹھے تھے۔ لیکن

جب یوسف علیہ السلام نے مصر کی شاہی پا کر باپ کی خدمت میں قاصد بھیجا کہ وہ میرے پاس تشریف لے آئیں تو پیغام رساں سے سب سے پہلا سوال جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ بتاؤ! میرا بیٹا کس دین پر ہے؟ اور کس مذہب پر کاربند ہے؟ تو قاصد سے یہ سن کر کہ ''اس کا دین وہی ہے جو آپ کا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کا پیرو ہے'' جناب یعقوب علیہ السلام خوشی سے اچھل پڑے اور اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکریہ ادا کیا۔[1] مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ خدانخواستہ اگر ان کا فرزند کسی اور مذہب میں ہوتا تو یعقوب علیہ السلام پر نہ تو اس کے زندہ وسلامت ہونے کا کچھ اثر ہوتا۔ اور نہ وہ اس کی ملاقات کے لیے جانے کو تیار ہوتے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ والوں کو جتنی محبت اپنے دین و مذہب سے ہوتی ہے' اتنی محبت اور کسی سے نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی سے ہوتی ہے تو محض اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ اس دین کامل کا پیرو اور اللہ ورسول کا فرمانبردار اور کتاب وسنت کا مکمل اطاعت گذار ہے۔

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی سے بڑی محبت تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ پیاری نہ تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین سب سے زیادہ عزیز تھا' سیّدہ فاطمہؓ سے بھی عزیز! اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وہ بے پناہ اور انتہائی مخلصانہ پیار' جس کے طفیل آپ کو تمام مراتب ومناصب عطا ہوئے تھے' آپ میں ہر وقت ٹھاٹھیں مارتا رہتا اور سب پر غالب رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ.**[2] پس آپ اگر اپنی اولاد کو عزیز رکھتے یا کسی دوسرے سے محبت کرتے تو اس میں بھی خالق اکبر جل شانہ کا جذبہ

(۱) تفسیر الدر المنثور ۴/۵۸۳ بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم

(۲) سورۃ المنافقون آیت نمبر ۹

محبت غالب و نمایاں رہتا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر آنحضرت ﷺ اپنی بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بہت چاہتے' اور اسے سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے' تو ان کی اس محبت میں بھی حب الٰہی کارفرما اور جلوہ گر تھی۔ اور اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ سے بے حد محبت رکھتی تھیں تو وہ بھی خالصتہً للہ تھی۔ اور اس وجہ سے تھی کہ ان کا باپ اللہ کا رسول اور حبیب ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اپنے والد والہ شان کے قدم پر قدم رکھتیں اور ان کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کرتی تھیں۔

یہ اسی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ جب اسلام کے بدترین دشمن جناب سرور کائنات ﷺ کو کوئی تکلیف دیتے یا آپ کے خلاف سازش کرتے' تو حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سخت بے چین ہو جاتیں اور جیسے بھی بن پڑتا آپ کو اس ایذا سے بچانے اور آپ کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول ﷺ کعبہ شریف میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ادھر حرم اقدس کے قریب ہی سرداران مکہ نے بھی شراب خوری' چوپڑ بازی اور اسی قسم کی دوسری فضول و بے ہودہ مجلسیں لگا رکھی تھیں۔ ان مجلسوں کا کرتا دھرتا وہی ابوجہل تھا جو آنحضرت ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس نے جو حضور ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو غضبناک ہو کر دانت پیسنے لگا۔ پھر دوسروں سے مخاطب ہو کر بولا۔ (نقل کفر کفر نباشد) ذرا اس مکار و ریاکار (مراد رسول اللہ ﷺ) کو تو دیکھو' کہ کیا کر رہا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آج فلاں قبیلہ نے جو فلاں جگہ اونٹ ذبح کیا ہے اس کی نجاست سے بھری ہوئی اوجھڑی وہاں پڑی ہے کوئی اسے اٹھا لائے۔ اور جب یہ شخص سجدے کے لیے اوندھا گرے تو اس کی پیٹھ پر رکھ دے۔ بداندیش کمینہ فطرت عقبہ بن ابی معیط نے کہا۔ میرے سوا یہ ''خدمت'' کون سرانجام دے سکتا ہے؟ وہ بھاگتا ہوا گیا' اوجھڑی اٹھا لایا۔ اور جب حضرت رسول مقبول ﷺ سجدہ میں گئے تو

فوراً آپ کی پیٹھ پر رکھ دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اسی عقبہ بن ابی معیط کی غلامی سے آزاد ہو کر مسلمان ہوئے تھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہیں خود تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تکلیف دور کرنے کی جرأت نہ ہو سکی البتہ بھاگے بھاگے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خانہ مبارک پر گئے اور سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ سیدہ محترمہؓ اگرچہ اس وقت کم سن تھیں لیکن سنتے ہی بے چین ہو گئیں۔ دوڑتی ہوئیں کعبہ معلیٰ میں پہنچیں۔ آپ کو اس حال میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ اوجھڑی نیچے گرائی' کفار کو جلی کٹی سنائیں۔ ایک کو آڑے ہاتھوں لیا اور انہیں ایسی ڈانٹ پلائی کہ آگے سے وہ منہ نہ کھول سکے۔[1] سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کے ان اشقیاء کو خصوصاً ابوجہل' عقبہ بن ابی معیط' امیہ بن خلف عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ کو بد دعا دی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا کر فرمایا' جن لوگوں کو آپ نے بددعا دی' بدر کے موقع پر میں نے انہیں ذلت کی موت مرا پایا۔ اور انہیں گھسیٹ کر بدر کے ویران کنویں میں پھینک دیا گیا۔

ایک دن ابوجہل نے کسی بات پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے طمانچہ مار دیا۔ آپؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ بیٹی ابوسفیان کو بتاؤ۔ انہوں نے ابوسفیان کو بتایا۔ ابوسفیان نے سیدہ کے ہاتھ سے بدلہ دلوا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ جس کے نتیجے میں چند ہی سال بعد ابوسفیان ایمان لے آئے۔[2]

اسی طرح ایک بار یہ نابکار قریش کسی جگہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اس مدعی نبوت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر یکدم اس طرح حملہ کریں کہ انہیں مار مار کر

---

(۱) بخاری' الوضوء: اذا لقِيَ علىٰ ظهرِ المُصلّى قذرٌ او جيفةٌ الخ: ۲۴۰' مسلم' الجهاد والسير: باب ما لقي النبي' من اذى المشركين والمنافقين ح: ۱۷۹۴

(۲) سیرت نبویہ سید احمد زینی دحلان بر حاشیہ سیرت ج ۴ ص ۲

زخمی اور بے ہوش کر دیں۔ حضرت فاطمہؓ اس وقت بھی کمسن تھیں انہوں نے یہ سب کچھ اپنے کانوں سے سن لیا۔ اور حضور ﷺ کو ان کی سازش کی اطلاع کر دی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ بیٹی! گھبراؤ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے گا۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ گھر سے نکلے اور مسجد الحرام میں تشریف لے گئے۔ سازشیوں نے آپ کو دیکھا تو آنکھیں نیچی کر لیں۔ حضور ﷺ نے ایک مٹھی بھر خاک ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: "شَاهَتِ الْوُجُوه" یہ مٹی جس جس کافر پر پڑی جنگ بدر میں وہ دوزخ کی غذا بن گیا۔ (۱)

اسی قسم کے کئی واقعات کتابوں میں لکھے ہیں جس سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں کوئی سازش ہوتی اور آپ سن پاتیں، تو فوراً حضور اکرم ﷺ کو اس سے مطلع کرتیں۔ جب بھی آنحضرت ﷺ کو کسی قسم کی ایذا و تکلیف پہنچتی تو آپ کو اس کا علم ہو جاتا تو جیسے بھی ممکن ہوتا سیدہ خاتون جنت اس کو دور کرنے کی کوشش فرماتیں۔

سرور کونین ﷺ جب کسی جنگ میں شریک ہوتے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس خطرناک مقام پر پہنچ جاتیں اور والد معظم ﷺ کی ہر ممکن خدمت بجا لاتیں۔ گاہے گاہے میدان جنگ میں دشمن کی اسکیموں پر نگاہ رکھتیں۔ ان کی حرکات و سکنات پر غور کرتیں۔ مجاہدوں کو پانی پلاتیں زخمیوں کے زخم دھوتیں۔ ان کی مرہم پٹی کرتیں اور انہیں کھانا کھلاتیں۔ یہ سب وہ محض اللہ کی خوشنودی و رضا مندی حاصل کرنے کے لیے کرتی تھیں کسی دنیوی پاس و لحاظ یا طمع و لالچ کو اس میں مطلق دخل نہ تھا۔

جناب رسالت مآب ﷺ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جان سے عزیز رکھتے اور ان کے رنج و راحت میں شریک ہوتے تھے۔ حضور ﷺ قریباً روزانہ ان

---

(۱) مسند احمد ۱/۳۰۳

کے گھر جاتے۔ اور انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ان کی خبر گیری کرتے۔ کوئی تکلیف ہوتی تو اسے رفع کرنے کرانے کی کوشش فرماتے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کہیں تشریف لے جاتے۔ تو سب سے آخر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رخصت ہوتے۔ اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے ملتے۔ (۲)

یہ تو معلوم ہوگا کہ باپ بیٹی کے گھروں میں عموماً فاقہ رہتا تھا۔ اگر باپ کے گھر میں کئی کئی روز روٹی نہ پکتی تو بیٹی کا چولہا بھی کئی کئی دن گرم نہ ہوتا۔

ادھر تھے پیٹ پر پتھر ادھر بھی تھا شکم خالی
تھا ان فاقہ کشان دین و ملت کا خدا والی

لیکن حضور اقدس ﷺ کے گھر جب کہیں سے کوئی کھانے پینے کی چیز آ جاتی تو آپ ﷺ اس میں سے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا حصہ ضرور نکالتے اور انہیں بھجوا دیتے۔ اس طرح گھر میں کوئی خاص چیز پکتی جو شاذ و نادر ہی پکتی تھی تو وہ بھی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بھجوا دی جاتی۔ کہیں دعوت پر تشریف لے جاتے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں بھوکی ہوتیں تو آپ ﷺ صاحب خانہ کی اجازت سے ان کے لیے بھی کچھ بھیج دیتے۔ (۳) کہیں کپڑا آتا تو بقدر مناسب وہ بھی بیٹی کو بھیجا جاتا۔ قصہ مختصر یہ کہ حضور ﷺ بھی اپنی بیٹی کو دل سے چاہتے اور فخر کرتے تھے کہ ان کی تربیت یافتہ بیٹی تمام دینی دنیوی معاملات میں خوب لائق وفائق ہے۔

باپ بیٹی کی یہ محبت و الفت واضح کرتی ہے کہ اولاد میں جس قدر دینی قابلیت' مذہبی لیاقت' احکام الٰہی کی پابندی' رسول مقبول ﷺ کی فرمانبرداری' کتاب

---

(۱) ابوداؤد' الترجل: باب ماجاء فی الانتفاع بالعاج ح ۴۲۱۳۔ حاکم ۳/۱۰۰' ۱۰۶' احمد ۵:۲۷۵'
(۲) طبرانی فی الصغیر ۱/۶۷' ۶۸' ابن حبان' ح: ۲۵۳۶
(۳) طبرانی فی الصغیر ۱/۶۷' ۶۸' ابن حبان ح: ۲۵۳۶'

وسنت کی اطاعت' تقویٰ اور زہد وعبادت کا شوق وذوق ہو' اسی قدر اس سے محبت ہونی چاہیے۔ اسی قدر اس سے لگاؤ اور تعلق رکھنا چاہیے۔ اور اسی قدر اس کی قدر وتوقیر کرنی چاہیے۔

افسوس کہ آج اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ ہماری اولاد' ہمارے بیٹے بیٹیاں جتنی بے دین' جس قدر لامذہب ہوں اسی قدر ہم خوش ہوتے اور ان سے محبت کرتے ہیں۔ وہ جس قدر شوخی' گستاخی' بے ادبی اور نافرمانی کریں اتنے ہی ہم فخر سے اتراتے اور مسرور ہوتے ہیں اور ان کی ایسی قبیح حرکات کا کوئی نوٹس نہیں لیتے۔ اولاد کو اللہ یاد رہے یا نہ رہے' رسول اللہ ﷺ سے تعلق واسطہ ہو یا نہ ہو' شریعت کے احکام بھولتے ہیں تو بھولے رہیں' قرآن وحدیث سے لگاؤ نہ ہو تو نہ سہی۔ ہمیں مطلق پرواہ نہیں۔

ہمیں یہی فخر کیا کم ہے کہ ہماری اولاد انگریزی تعلیم یافتہ ہے' گریجویٹ ہے' ولایت پاس ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی فارغ التحصیل اور سند یافتہ ہے۔ اور کسی اچھے عہدے پر فائز اور کسی اچھی ملازمت سے وابستہ ہے۔ آج اولاد کے تعلقات والدین سے اتنے ہی ہیں' کہ ماں باپ نے اسے جنا اور پالا۔ اور وہ ان کے گھر میں پیدا ہوئی اور بڑھی۔ مگر فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد ذیشان (ﷺ) کے تعلقات نے ثابت کر دیا کہ والدین کے ساتھ اولاد کی محبت' محض دنیوی' رسمی' رواجی' جسمانی اور خونی ہی نہ ہونی چاہیئے بلکہ ''روحانی'' بھی ہونی چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ روحانیت دین ومذہب اور اس کے احکام کی پابندی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر یہ پابندی نہیں تو روحانیت کیسی؟

کاش کہ ہم اس معاملہ پر غور کریں۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری پوری اطاعت کر کے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کو جنت کا نمونہ بنائیں۔

❀ ❀ ❀

شادی

ایک مصلح اور نبی کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ہر کام کی اصلاح کرے۔ اس کا صحیح اور اچھا طریقہ بتائے۔ بے کار اور نکمی رسموں کو مٹائے۔ بیہودہ اور واہیات رواجوں سے منع کرے۔ فضول خرچیوں سے روکے۔ اور ایسا راستہ نکالے جس سے انسان تباہی و بربادی سے بچ جائے۔

جناب رسول اللہ ﷺ چونکہ مصلح اعظم تھے۔ اس لیے جہاں آپ نے دوسرے بہت سے کاموں' رسموں رواجوں اور طریقوں کی اصلاح فرمائی وہاں رسومات شادی میں بھی ترمیم و تنسیخ کی۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب بڑے طمطراق سے شادیاں کرتے تھے۔ ان کے لیے بھاری قرض اٹھاتے اور حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے تھے۔ جن لوگوں میں اتنا خرچ برداشت کرنے کی طاقت نہ ہوتی' ان کی کنواری لڑکیاں مدت تک گھر میں ہی پڑی رہتی تھیں اور کئی لوگ اس خیال سے ان کا رشتہ نہ لیتے تھے کہ جہیز کم ملے گا یا برات تھوڑی لے جانی پڑے گی۔ اور اس کی خاطر تواضع پر تکلف نہ ہوگی۔

لیکن حضور سرور دو عالم ﷺ نے نہ صرف ان بیہودہ رسموں کو دور فرمایا۔ بلکہ اپنی بیٹیوں کی سادہ شادیاں کر کے ایک نمونہ قائم کیا۔ اور امت کو بتایا کہ جونہی لڑکی سن بلوغ کو پہنچے' فوراً اسے بیاہ دینا چاہیے۔[1] سگائی (منگنی وغیرہ کوئی چیز نہیں) نکاح

(۱) شعب الایمان ج۶ ص ۴۰۲-۴۰۳

شادی پر بقدر استطاعت خرچ کرنا چاہیے اور یہ فرض نہایت سادہ وسہل طریق سے ادا کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کی شادیاں بہت ہی سادگی سے کیں اور کسی قسم کی نمائش، زیبائش، تکلف اور اسراف کو قریب نہ آنے دیا۔

دیکھئے! جب فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بڑے بڑے رئیس اور دولت مند رشتہ کے لیے درخواستیں کرنے لگے۔ دراصل اعزاز وشرف اور حصول برکت کے لیے وہ ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ تو حضور ﷺ کے یاران خاص سے تھے انہوں نے بھی درخواست پیش کی، مگر حضور ﷺ نے دونوں سے فرمایا۔ جلدی نہ کرو اور حکم الٰہی کے منتظر رہو۔ (پھر ان دونوں حضرات نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آمادہ کیا کہ آپ بھی درخواست کریں۔ وہ جھجکنے، شرمانے اور ہچکچانے لگے۔ لیکن دوستوں نے مجبور کر کے درخواست کرا ہی دی جو۔۔۔۔ منظور کر لی گئی، اور بہت ہی سادہ طریقہ سے نکاح ہو گیا۔[1]

بعض کتابوں میں یوں بھی لکھا ہے کہ جناب شیر خدا رضی اللہ عنہ درخواست پیش کر کے چلے گئے۔ اور کسی کی مزدوری کرنے لگے اتنے میں حضور ﷺ کا پیغام پہنچا کہ جس حال میں ہو چلے آؤ۔ علی رضی اللہ عنہ کا جسم اس وقت مٹی سے اٹا ہوا تھا۔ اور کپڑے بھی غبار آلود تھے۔ دربار نبوی میں جا حاضر ہوئے۔ حکم ہوا، ذرا غسل کر آؤ، اپنی لڑکی کا نکاح تم سے کرنا ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰؓ نہا دھو کر مسجد میں گئے۔ چند احباب کو بلایا۔ اور سنت نکاح ادا ہو گئی۔[2]

اب غور کیجیے کہ بڑے بڑے رئیسوں اور دولت مندوں کی درخواستیں تو

---

(۱) طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۱۹

(۲) طبقات ابن سعد ۸/۲۲

مسترد کی جاتی ہیں۔ لیکن علیؓ جو نان شبینہ کے محتاج ہیں محنت و مشقت کر کے بمشکل گذران کرتے ہیں' اور اتنا مقدور بھی نہیں رکھتے کہ شادی پر خرچ کر سکیں' مہر ادا کر سکیں یا ولیمہ کی دعوت ہی کر سکیں' ان کی درخواست فوراً قبول کر لی جاتی ہے۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی چہیتی بیٹی ان سے بیاہ دی جاتی ہے۔ زہد اور فقر پسندی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

بعض روایتوں آیا ہے کہ علی المرتضیٰؓ ان دنوں اتنے غریب تھے کہ کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اور کوئی سر و سامان نہ رکھتے تھے۔ (۱) دراصل اس میں بھی ایک راز تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ امت کے لوگ اپنی بہنوں' بیٹیوں کے لیے مالدار اور امیر گھرانے ہی نہ ڈھونڈتے پھریں کہ غریب کہیں رشتوں ناطوں سے محروم ہی نہ رہ جائیں۔ بس اس لیے سرکار دو عالم ﷺ نے علیؓ ایسے تنگدست' مفلس اور محنتی کو امراء و رؤسا پر ترجیح دی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنی زرہ قریباً سوا سو روپے میں بیچ دی۔ اور مہر ادا کیا۔ ان کے ایک دوست نے بھیڑ لا کر ذبح کی۔ ایک نے جو کا دلیہ پکوایا۔ ایک نے کچھ کھجوریں اور چھوہارے رکھ دیئے اور دعوت ولیمہ تیار ہو گئی۔ (۲) جو سب نے ہنسی خوشی کھائی۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ جو بوجھ سر پر تھا' وہ اتر گیا۔

حضور رسول مقبول ﷺ نے فاطمہ بتولؓ سے اِذن (جسے ایجاب کہتے ہیں) لے کر نکاح تو کر ہی دیا۔ اب انہیں روانہ کرنا تھا۔ گھر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں۔ سیدہ عالی مقام رضی اللہ عنہا غمگین سی بیٹھی ہیں اور سادہ سا لباس پہنے' سر جھکائے کچھ پریشان سی نظر آتی ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے بیٹی؟ مگر وہ شرم کے

(۱) تاریخ بغداد ۴/۱۹۵۔۱۹۶۔۱۹۶ مختصراً' نیز دیکھیے مدارج النبوۃ ۱۲۹/۱۔۱۳۰

(۲) مدارج النبوۃ اردو ج' ص ۱۲۹۔۱۳۰ بحوالہ خطیب بغدادی' اسد الغابہ ج ۲ ص ۵۲۰' المعجم الکبیر ۴۱۲/۲۲

مارے خاموش رہیں۔

فرمایا: بیٹی! میں جانتا ہوں کہ علیؓ غریب ہیں' کنگال اور تنگ حال ہیں' کرائے کی جھونپڑی میں رہتے ہیں' محنت مزدوری کرتے ہیں' نہ ان کے پاس دولت ہے' نہ ان کا اپنا مکان ہے' نہ ان کی جائیداد ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ میں نے اچھے اچھے دولت مندوں اور کھاتے پیتوں کی درخواستیں نامنظور کیں۔ مگر اے فاطمہؓ! کبیدہ ورنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ شاہد ہے میری برادری میں علیؓ سے بہتر کوئی نہیں تھا جسے میں تیرے لیے منتخب کرتا۔ بیٹی! اگر علی تنگ دست ہیں تو فکر نہ کر' اللہ مالک ہے' یہ دنیا کی مفلسی وغریبی چند روزہ ہے تو آخرت پر نگاہ رکھ' اس کی کشائشوں کو دیکھ' کیونکہ عقبٰی کے دولت بھرے خزانے تیرے لیے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی تجھے ان کا مالک بنائے گا۔ (۱)

یہ کہہ کر حضور انور ﷺ نے اس سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ عنہا کو روانہ فرمایا۔ نہ کوئی ڈولی آئی' نہ پالکی' نہ ٹمٹم' نہ گھوڑا' نہ خچر۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا معمولی سے لباس میں ملبوس' پاپیادہ اپنے سسرال کو جارہی تھیں۔ روانگی کے وقت نہ انہوں نے چیخیں مار کر محلّہ اکٹھا کیا۔ نہ چلّا کر روئیں۔ نہ گلا پھاڑ کر اپنے میکے کی تعریف کی۔ شاید پردے ہی پردے میں ان کے چار آنسو اس وجہ سے نکل آئے ہوں کہ آستانۂ نبوت میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔ اور شاید اس وجہ سے بھی کہ رسول اللہ ﷺ ایسا شفیق باپ انہیں ملا تھا۔ وہ باپ' جس نے ان کی عاقبت سنوار دی۔ اور ان کو خواتین جنت کا سردار بنا دیا۔

اب وہ لوگ جو قرض میں دب کر اور اپنی آمدنی وحیثیت سے بڑھ کر محض نام ونمود کے لیے' شہرت اور دکھاوے کے لیے' برادری میں واہ واہ کرانے کے لیے بڑے

---

(۱) یہاں سے جہاں معلوم ہوا کہ ''کفو'' کا خیال رکھنا چاہیے' وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ برادری کو ترجیح دینی چاہیے۔ رشتہ صحیح ہو تو غربت کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ رب سب کچھ عطا فرما سکتا ہے۔ (فاروقی)

بڑے جہیز دیتے ہیں۔ بلکہ دیتے بھی نہیں صرف جھوٹ موٹ لکھا دیتے ہیں۔ (جو دوہرا جرم ہے)۔ وہ بنظر غور دیکھیں کہ شاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے پیاری اور چہیتی بیٹی کو کیا جہیز دیا تھا؟

سنئے: دو معمولی سی چادریں' ایک کھال کا بستر' ایک چمڑے کا تکیہ جس میں روئی یا اون کی بجائے کھجور کی چھال بھری تھی۔ ایک مشکیزہ' ایک چکی' ایک مٹی کا گھڑا' ایک مٹکا' ایک چٹائی' ایک دو مٹی کے پیالے' ایک جائے نماز [1] مسند احمد میں ایک لکیر دار چادر کا بھی ذکر آتا ہے۔

یہ تھا وہ کل سامان جہیز جو کونین کے تاجدار نے دونوں جہان کی سیدہؓ کو عطا فرمایا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس کی کل قیمت آج کل کے دو سو روپے سے زیادہ نہ تھی۔ (اللہ اکبر کبیرا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے روز حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کیا۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ جب اجازت ملی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں داخل ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو بلا کر باری باری مبارک ہاتھوں سے ان پر پانی چھڑکا اور یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھِمَا وَ بَارِکْ عَلَیْھِمَا وَ بَارِکْ لَھُمَا فِیْ نَسْلِھِمَا. پھر فرمایا:

الہٰ العالمین! میں علیؓ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ اور حفاظت میں دیتا ہوں۔

الٰہی! ان کو شیطان لعین و رجیم کے شر سے محفوظ رکھ۔ اور ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ [2]

---

(۱) طبقات ابن سعد ۸/۲۳' مسند احمد ۱/۹۳' ۱۰۴' ۱۰۸۔

(۲) طبقات ابن سعد ۸/۲۱

بعدازاں آپ واپس تشریف لے آئے۔ اور پھر جب بھی فرصت ملتی سیدہ فاطمہؓ سے ملنے جایا کرتے اوران کی تسلی فرمایا کرتے۔

یہ مبارک ومقدس شادی ہم مسلمانوں کومندرجہ ذیل سبق دیتی ہے:

۱۔ رشتہ کے انتخاب میں اس شخص کوترجیح دینی چاہیے جوتقویٰ اورطہارت میں سب سے بڑھ کر ہو۔ چاہے وہ تنگدست اورغریب ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ اپنے قریبی خاندان کوترجیح دینی چاہیے تاکہ رشتہ داریاں بڑھیں۔ روابط میں اضافہ ہواورتعلقات مضبوط تر ہوں۔ اگر نیک اورشریف رشتہ اپنے خاندان میں نہ ہو' یا اپنے خاندان میں رشتہ کرنے سے حالات بگڑنے کا اندیشہ ہوتو پھر باہر جانے کی اجازت ہے۔ مگر کسی بات میں ضد' مخالفت اور پروپیگنڈا سے کام نہ لیا جائے۔ یہ سخت منع ہے۔

۳۔ شادی سے پیشتر کئی سال یا کئی کئی مہینے یا کئی کئی روز منگنی یا سگائی کر رکھنا مناسب نہیں' بلکہ اس میں کئی طرح کے عیب ہیں۔ حاسدین عام ہوتے ہیں وہ حالات خراب بھی کرسکتے ہیں۔ لڑکے/لڑکی کی عدم برداشت سے عزت پرحرف آسکتا ہے۔

۴۔ شادی بہت سادہ اورسہل طریق سے ہونی چاہیے۔ نمائش' تکلفات' شہرت اور برادری سے تحسین وغیرہ لینے کے لیے اسراف وتبذیر یعنی فضول خرچی سے کام لینا گناہ ہے۔

۵۔ برے اور بیہودہ رسم ورواج سے' جومحض تباہی وبربادی کے لیے جاری کیے گئے ہیں' بچنا اوردور رہنا لازمی ہے۔

۶۔ جوان لڑکیوں کو بلا وجہ گھر میں بٹھائے رکھنا سخت معیوب ہے۔ جونہی لڑکی بالغ ہوموزوں کفودیکھ کرفوراً اس کا نکاح کردینا چاہیے۔ لڑکوں کی شادی میں بھی

خواہ مخواہ دیر نہیں کرنی چاہیے ورنہ ان کا گناہ والدین کے کھاتے میں پڑتا رہے گا۔

۷۔ ولیمہ کرنا مسنون (بلکہ سنت مؤکدہ) ہے۔ جو لوگ دوسری رسوم پر تو پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں مگر دعوت ولیمہ نہیں کرتے وہ سنت رسول اللہ ﷺ کے تارک ہیں۔

۸۔ مہر بقدر حیثیت باندھنا چاہیے اور اس کو جلد از جلد ادا کرنا چاہیے۔ عام طور پر حق مہر یا تو بالکل ادا نہیں کیا جاتا یا اس میں غفلت کی جاتی ہے۔ یا بیوی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بیوی سے چھڑا لیا جاتا ہے۔ یاد رہے یہ بیوی کا حق ہے۔ اور جس قدر جلد ممکن ہو اسے ضرور ادا کر دینا چاہیے۔ اور اس کا ادا نہ کرنا اور ہضم کر جانا سخت گناہ ہے۔

خانہ داری

یوں تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے میکے بھی گھر کے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ جناب رسول کریم ﷺ سے فاطمہ بنت اسد سے (جن کی اب وہ بہو بن چکی تھیں) اور جناب ام ہانی (خالہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے ان کو تربیت ہی ایسی ملی تھی کہ وہ چھوٹی سی عمر میں گھر کی انچارج بن گئیں اور سارے کام خود سرانجام دینے لگیں۔

لیکن شادی کے بعد تو گھر کا تمام بوجھ انہی کے سر پڑ گیا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مصروف و منہمک ہو گئیں۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر جا کر محبوب خدا (ﷺ) کی اس محبوب بیٹی نے سخت مشقت کی ہے۔ اس طرح محنت' مشقت اور سسرال کی خدمت سے ایک مقام حاصل کر لیا۔ ذرا جھاڑو دے کر اٹھیں تو چکی پیسنے لگ گئی ہیں۔ چکی سے چھٹکارا ملا ہے تو پانی لا رہی ہیں۔ اس سے فراغت پائی ہے تو کھانا پکا رہی ہیں۔ کھلا پکا کر فارغ ہوئیں ہیں تو کپڑوں کی مرمت اور سلائی شروع کر دی ہے۔ اس سے فرصت ملی ہے تو برتن صاف کر رہی ہیں۔ کپڑے دھونے میں مشغول ہیں۔ بستر جھاڑ اور بچھا رہی ہیں' کبھی مکان لیپنے' اس کی مرمت یا صفائی کرنے کی ضرورت پڑی ہے تو اس میں بھی فاطمہ رضی اللہ عنہا برابر شریک ہیں۔ پھر ساس اور شوہر کی خدمت کا فرض بھی ان کے ذمہ ہے۔ کبھی کسی کے پاؤں داب رہی ہیں اور کبھی کسی کی مٹھی چاپی کر رہی ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ اس انہماک' اور مصروفیت میں خوش ہیں۔ ہشاش بشاش ہیں۔ سب کام ہنسی خوشی

انجام دیتی اور اس میں قلبی سکون اور مسرت محسوس کرتی ہیں۔ کیا مجال جو ماتھے پر بل پڑ جائے یا گھبراہٹ اور تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہوں۔ نہ لمبی تان کر سوتی ہیں۔ نہ اپنی خدمت کرواتی ہیں۔ نہ سسرال کے گلے شکوے کر کے فضا میں تلخی پیدا کرتی ہیں۔ خود بھی خوش رہتی ہیں اور دوسروں کو بھی خوش رکھتی ہیں۔

خود حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے میرے گھر آ کر اتنی چکی پیسی ہے کہ ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ اور اتنا پانی ڈھویا ہے کہ سینے اور گردن کا رنگ نیلا ہو گیا ہے۔[1] اتنی جھاڑو دی ہے کہ بدن اور کپڑوں پر مٹی اٹ گئی ہے۔ لیکن وہ اس مشقت میں بھی راحت محسوس کرتی تھیں اور کبھی کوتاہی یا غفلت یا رنج وغصہ کو قریب نہ لاتی تھیں۔

غور کیا جائے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں جو محبوب رب العالمین اور شاہ دو عالم ہونے کے باوصف سارے کام اپنے دست مبارک سے سرانجام دیتے تھے۔ اور کام کرنے میں کوئی توہین یا ہتک نہ سمجھتے تھے۔ یہ اسی شوہر کی بیوی تھیں جو محبوب خدا و رسولؐ ہونے کے باوجود دن بھر محنت مشقت کرتے تھے۔ گھاس کھودتے تھے۔ ارٹ اور بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ بازار سے سودا سلف لاتے تھے۔ لکڑیاں کاٹتے تھے۔ اور بسا اوقات پانی بھرتے اور کپڑے دھو لیتے تھے۔ پھر فاطمہؓ کیوں کسی کام میں ذلت وخست محسوس کرتیں؟ اور کیوں نہ سب کام خود سرانجام دیتیں؟

جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خانہ داری اور محنت ومشقت سے ہماری بہو بیٹیوں کو سبق لینا چاہیے۔ ان بہو بیٹیوں کو جو کام کو ہاتھ نہیں لگاتیں۔ معمولی معمولی دھندوں سے بھی جی چراتی اور کتراتی ہیں اور گھنٹوں بستر پر پڑی رہتی ہیں۔ اور خانگی امور کو

(۱) طبقات ابن سعد ۸/۲۱

انجام دینے میں بے عزتی اور ہتک محسوس کرتی ہیں۔

کام کاج کرنا نہ صرف خانہ آبادی کا موجب ہے' بلکہ اس سے عورت کی لیاقت' قابلیت' سگھڑپن اور سلیقہ شعاری بھی آشکارا ہوتی ہے۔ نہ صرف گھر کے اندر بلکہ دوسروں کی نگاہوں میں معزز و سربلند ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں کام کاج میں مشغول رہنے سے صحت بھی اچھی رہتی ہے۔ جسم کے مسام کھلتے ہیں۔ دوران خون درست رہتا ہے۔ غذا ہضم ہوتی اور انگ لگتی ہے۔ قبض جو بیماریوں کی جڑ ہے ہونے نہیں پاتی۔ رنگ نکھرتا اور حسن و جمال بڑھتا ہے۔ جوانی قائم رہتی ہے۔ گوشت پوست اور ہڈیوں میں طاقت آتی ہے۔ سستی و کاہلی دور ہوتی اور چستی و چالاکی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بیکار عورت پر لوگ انگشت نمائی کرتے ہیں۔ اسے نالائق اور گھٹیا سمجھتے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں تو راحت پسندی و آرام طلبی حد سے تجاوز کر گئی ہے۔ کسی جوان و صحت مند عورت کو ذرا سا بھی کام کرنا پڑے' تو بچاری کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے اور سانس پھول جاتی ہے۔ اس موقع پر ہمیں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ مدت ہوئی لاہور میں مشینی آٹے کی بجائے دیسی چکیوں سے پسا ہوا آٹا بکنے لگا۔ جب یہ آٹا امیر گھروں میں پہنچا۔ تو آرام طلب اور نازک اندام عورتوں نے یہ کہہ کر واپس کرا دیا کہ یہ آٹا تو بہت خراب ہے' گوندھا ہی نہیں جاتا۔ کیونکہ اس میں لوچ بہت زیادہ ہے۔ اس نے تو ہمارے بازو ہی پھلا اور تھکا دیئے ہیں۔ حالانکہ آٹے غریب کا قصور نہ تھا ان کا اپنا ہی قصور تھا کہ بیکار رہ رہ کر خود کو اتنا تن آسان بنا لیا تھا کہ آٹا گوندھنا بھی مشکل ہو گیا۔

ہماری یہ بہو بیٹیاں سوچیں۔ کہ کیا وہ مرتبہ و درجہ میں فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے بڑی ہیں؟ کیا وہ شان اور فضیلت میں ان سے بڑھی ہوئی ہیں؟ اگر نہیں تو جب فاطمہؓ سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں تو وہ کیوں نہیں کرتیں؟ اس کی بڑی بھاری وجہ یہی

ہے کہ وہ اسلامی تعلیم سے ناواقف ہیں۔ اپنے بزرگوں کے حالات نہیں پڑھتیں، ان کے طریقوں پر نہیں چلتیں۔ وہ تو وہی کچھ سیکھتی اور پڑھتی ہیں جو مغرب کی کوئی میم صاحبہ انہیں سکھاتی پڑھاتی ہے۔ اور اسی لیے نہ وہ دنیا کی رہی ہیں نہ دین کی۔

کاش! وہ اب بھی سمجھیں۔ اب بھی گرامی منزلت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اسوہ وطریقہ پر چلیں تو اسقام و آلام اور خودساختہ پریشانیوں سے ان کی جان چھوٹ جائے۔ نہ صرف چھوٹ جائے بلکہ قوم کی ڈگمگاتی ناؤ کنارے پر جا لگے۔

❀❀❀

پردہ

یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں شرم و حیا کا جوہر بدرجہ کمال موجود تھا۔ اور آپ چھوٹی عمر میں پردہ کرنے لگیں۔ آپ کا یہ حجاب قدرتی شرم و حیا کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ نزول آیات حجاب بعد میں ہوا۔ (۱) اور گھر میں رہنے لگی تھیں۔ بلا ضرورت اور بلا سبب کبھی باہر نہ نکلتی تھیں۔ اگر نکلنا پڑتا تو چادر یا نقاب اوڑھ لیتیں۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک جسم مبارک کو ملفوف وملبوس کر لیتی تھیں۔ بخلاف مردوں کے عورتوں کو ٹخنے اور پاؤں ڈھانپنے چاہئیں۔ پاؤں ننگے رکھنا بھی عورت کی بے پردگی میں شامل ہے۔ آپ اسی طرح کا پورا پردہ کرتی تھیں۔ اور جب پردے کے احکام نازل ہوئے اس کے بعد آپ اور زیادہ پردہ کرنے لگیں اور کم باہر نکلنے لگیں۔ بھلا جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترا ہو اور جس قرآن میں مسلمان مستورات کو پردہ کرنے اور گھر میں بیٹھنے کی واضح ہدایت موجود ہو اس نبی کی بیٹی اور اس قرآن کی تعلیم پانے والی بیٹی کس طرح بے پردہ رہ سکتی تھی؟ اور کیونکر کھلے منہ باہر نکل سکتی تھی؟ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم دینے اور سکھانے اور پڑھانے ہی کا اعلیٰ نتیجہ تھا کہ بی بی فاطمہ کم سنی ہی میں پردہ دار ہو گئیں۔ اور کسی نامحرم کے سامنے آنا اور ننگے منہ ہونا معیوب سمجھنے لگیں۔ فاطمہ محترمہ رضی اللہ عنہا ابھی عمر کی ۱۷ ویں بہار میں تھیں کہ آیت حجاب کا نزول ہوا۔ اور مسلم عورتوں کو حکم مل گیا کہ اب وہ بے پردہ باہر نہ پھریں اور نہ کسی غیر کے سامنے بلا

۱۔ آیت الحجاب ۵ھ میں نازل ہوئی اس وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۱۷ استرہ سال تھی۔ (فاروقی)

ضرورت آئیں یا کلام کریں۔ چنانچہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جب سے اس تعلیم قرآنی سے بہرہ مند ہوئیں پردے کی اور پابند ہو گئیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکیاں میکہ میں پردہ کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اگر کرتی بھی ہیں، تو محض برائے نام اوڑھنی لے لیتی ہیں۔ لیکن سیدہ فاطمہؓ جیسے میکے میں پردے کی پابند تھیں ویسے ہی سسرال میں حجاب ونقاب کو لازمی سمجھتی تھیں۔ اگر ان سے کبھی غفلت یا کوتاہی ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ خود باز پرس فرماتے۔ چنانچہ ایک بار جناب رسول مقبول ﷺ کسی صحابیؓ کو دفن کر کے آ رہے تھے کہ راہ میں سیدہؓ مل گئیں، حضور ﷺ نے پوچھا، بیٹی، کہاں گئی تھیں، اور گھر سے کیوں نکلی ہیں؟ فاطمہؓ نے عرض کی ہمسایہ کے گھر میں موت ہو گئی تھی۔ وہاں ماتم پرسی کے لیے گئی تھی۔ (۱) حضور ﷺ کے پوچھنے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں بلاضرورت تو گھر سے نہیں نکل آئیں؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نگرانی فرماتے اور تنبیہ کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ آپ نے اپنے گھر کے پردے کا نمونہ کائنات کے سامنے پیش کرنا تھا۔

یہ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ کے پیچھے حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ ایک نابینا صحابی بھی اندر چلے گئے۔ انہیں دیکھ کر سیّدہ فاطمہ دوڑیں اور کوٹھڑی میں چھپ گئیں۔ جب وہ چلے گئے تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا۔ بیٹی! تم کیوں چھپ گئی تھیں ام مکتومؓ تو نابینا ہیں۔ انہیں سیدہؓ عالم نے جواب دیا۔ ابا جان! اگر وہ نابینا ہیں مگر میں تو نابینا نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ غیر محرم کو دیکھا کروں!

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے عورتوں کو محبوس ومقید کر دیا ہے، اور انہیں گھر کی چاردیواری سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔ جیسا کہ کئی مستشرق اور

(۱) ابوداؤد، الجنائز، باب فی التعزیۃ ح ۳۱۲۳، نسائی، الجنائز، باب النعی ح ۱۸۸۱۔

ماڈرن لوگ کہتے پھرتے ہیں۔نہیں یہ بات غلط ہے۔اسلام تو یہ کہتا ہے کہ مسلم عورتوں کے بدن کا کوئی حصہ کسی نامحرم کو نظر نہ آئے۔وہ بے شک ضرورت کے وقت باہر نکلیں' مگر اوڑھنی سے سارا جسم لپیٹ لیں۔خوشبو استعمال نہ کریں۔اور زیب و زینت کر کے نہ نکلیں۔کوئی ایسا زیور جس کی جھنکار لوگوں کو متوجہ کر سکے پہن کر باہر نہ جائیں۔ورنہ ضرورت پر امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور بنات الرسول بھی گھر سے نکلتی تھیں۔کام کاج کرتی تھیں۔پانی بھرتی تھیں۔جنگوں میں جاتی تھیں۔ مجاہدوں اور زخمیوں کی خبر گیری کرتی تھیں۔لیکن پردے کو کسی حالت اور کسی صورت میں نہ چھوڑتی تھیں۔فی زمانہ جدھر دیکھو' بالغ لڑکیوں سے لے کر بوڑھی سیانیوں تک بے حجاب و بے پردہ نظر آتی ہیں' مگر آج کل پردہ کہاں ہے؟ اس کا تو وجود ہی عنقا (بالکل غائب اور ختم) ہوا جاتا ہے۔ جہاں نہ کسی سے شرم ہے نہ حیا۔ نہ اپنوں سے جھجک ہے نہ بیگانوں سے پرہیز! بس ایک بدتمیزی اور بے حیائی کا شیطانی طوفان اٹھ رہا ہے جو اسلامی تہذیب' اسلامی تمدن' اسلامی معاشرت' اسلامی اخلاق' اسلامی تعلیم' اسلامی ثقافت اور اسلامی غیرت وحمیت کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔نہ کسی کنواری کو شرم ہے' نہ بیاہی کو حیا۔سب نے بھیڑ چال اختیار کر رکھی ہے۔کھلے منہ' کھلے سر' کھلے سینہ اور ننگے بازو سڑکوں پر دندنا رہی ہیں۔گلیوں میں بھاگ رہی ہیں۔بازاروں میں پھر رہی ہیں۔اسی طرح ہوٹلوں اور باغیچوں میں ان کی نمائشیں اور بھی غضب ڈھاتی ہیں اور یوں اسلامی غیرت وحمیت کو چیلنج کرتی ہیں۔

اگر کوئی لڑکی اور کوئی عورت پردہ بھی کرتی ہے تو یہ پردہ اپنوں سے ہی ہوتا ہے' غیروں سے نہیں ہوتا۔جو محرم لوگ اس کے سامنے ہو سکتے ہیں اس کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں' اس سے بات چیت کر سکتے ہیں ان سے تو منہ چھپایا جاتا ہے۔لیکن جو لوگ اوپرے ہیں' ناآشنا اور نامحرم ہیں ان سے کوئی پردہ نہیں کوئی شرم نہیں۔گفتگو اور ہنسی

مذاق کرنے میں کوئی پرہیز نہیں۔ بلکہ نوکر ملازم' ہمسائے' اہل محلہ اسی طرح دھوبی' ماشکی' حجام سے بھی کوئی حجاب نہیں' خواہ وہ کتنے جوان ہی کیوں نہ ہوں' انہیں تو مرد سمجھا ہی نہیں جاتا۔ اور یہ بے حجاب خواتین بسا اوقات ایک ہی تھڑے' فرش اور ایک ہی چارپائی پر اور ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر گھنٹوں گپیں ہانکتی چلی جاتی ہیں۔ اناللہ۔

ایک بار ایک غیور مسلمان نے اپنی عورت کی ناک اور چوٹی کاٹ دی تھی۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ گاڑی میں سوار تھا وہ کئی اسٹیشنوں پر پانی پینے یا کسی اور کام لیے اتر تا رہا۔ اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی اس کے سامنے تو پردہ کرتی تھی۔ مگر جب وہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو منہ کھلا چھوڑ کر سب کو دیکھنے لگتی تھی۔ آخر ایک مقام پر اس کا پیمانہ صبر وشکیب لبریز ہو گیا اور اس نے غیرت اور غصے میں آ کر انتہائی قدم اٹھایا۔ اس نے اس کا برقعہ اتار پھینکا اور بازو سے پکڑ کر نیچے گھسیٹ لایا۔ اس کی ناک اور چوٹی کاٹ ڈالی اور کہا: ''اے کمبخت! تو میرے سامنے تو پردہ کرتی ہے اور نامحرموں کے سامنے چہرہ کھول دیتی ہے۔''

کاش! ہماری بہو بیٹیاں ہماری مائیں اور بہنیں پردے کے حکم پر غور کریں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تن بدن ڈھانکنے کی جو تاکید فرمائی ہے اس کی پابند رہیں۔ اور سیدہ فاطمہ زہراؓ کی پیروی کر کے صحیح معنوں میں اسلام زادیاں بنیں۔ اللہ ہماری قوم کی بیٹیوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سنت کی پیروی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر مسلمان مرد اور عورت کو تاکید فرمائی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت تم پر فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری بھی فرض ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: **قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُو الرَّسُوْلَ فَاِنَّ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْنَ** ○ (۱)

''اے نبی! کہہ دیجئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم اطاعت سے منحرف ہو گئے تو یقیناً اللہ کافروں کو ناپسند جانتا ہے۔''

مطلب یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف و فرار کفر ہے، اسی لیے تو **لَا یُحِبُّ الْکَافِرِیْن** فرمایا۔ دوسری جگہ فرمایا: **وَاَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ** ○ (۲) ''یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' سب سے بڑا رحم یہی ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچا کر جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کی پیروی لازم قرار دی گئی ہے اسی طرح سنت رسول پر چلنا بھی قرار دیا گیا ہے ضروری و لازمی ہے۔ ہمارا دعویٰ کہ اتباع سنت کے بغیر کسی کا دین و ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنی حدیثوں میں قرآن و سنت کی اطاعت کا بار بار حکم دیا ہے۔ چنانچہ

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳۲

(۲) سورہ آل عمران:۱۳۲

حضور ﷺ کی آخری وصیت ہے کہ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهُ وَ سُنَّةُ رَسُوْلِه(1) "مسلمانو! خوب یاد رکھو۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے اور ان پر عمل کرتے رہو گے تو کبھی گمراہ اور ذلیل نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید ہے اور دوسری اس کے رسولؐ کی سنت یعنی میری حدیث ہے۔" حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا یہ کیسے گوارا کر سکتی تھیں کہ جس رسول کی وہ چہیتی بیٹی ہیں وہ اپنی سنت کی اطاعت کا حکم دے اور فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اس سے پہلو تہی کرے؟ اور بتولؓ نے تو جتنے مرتبے اور درجے پائے تھے وہ اللہ اور نبی کی فرمانبرداری ہی سے پائے تھے۔ پس ان کا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ہر کام میں حضور ﷺ کی پیروی کرتیں۔ ہر عمل اسی طرح سرانجام دیتیں جس طرح جناب رسول مقبول ﷺ سرانجام دیتے تھے۔ جو بات یا مسئلہ سن پاتیں وہ دماغ پر اسی طرح نقش فرما لیتیں جس طرح سنتی تھیں۔ پھر اسے عمر بھر نہ بھولتیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وارفتگیٔ سنت اس درجہ ترقی کر گئی تھی کہ بعض وقت خود حضور ﷺ جب اپنا کوئی سابقہ عمل یا حکم یا ارشاد بدل دیتے تو یہ بنت رسول آپ کو آگاہ فرماتیں۔ کہ حضور! آپ نے یہ کام فلاں وقت میں یوں کیا تھا اور اب یوں کر رہے ہیں، ایسے کیوں ہے؟ حالانکہ حضور ﷺ ایسا دیدہ دانستہ کرتے تھے۔ کیونکہ جب کسی مصلحت کی بنا پر بحکم الٰہی پہلا حکم منسوخ ہو جاتا تو آپ اللہ ہی کے حکم سے نیا مسئلہ بیان فرماتے تھے۔ کبھی جواز کے لیے کرتے کہ یوں بھی ٹھیک ہے اور یوں بھی ٹھیک ہے۔

بی بی فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ ﷺ سے کہیں یہ سن لیا، کہ

(1) موطا امام مالک: ۲/۸۹۹ باب النھی عن القول بالقدر

جب گوشت کھایا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس وقت ''اونٹ کا گوشت'' کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ مگر سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ نے اونٹ کا لفظ نہ سنا۔ اور مطلق گوشت سمجھ لیا' اس لیے اسی پر عمل شروع کر دیا۔ ایک دن جناب فخر کائنات ﷺ اپنی محبوب بیٹی کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس روز فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے گوشت پکا رکھا تھا۔ جسے حضور ﷺ نے بھی تناول فرمایا۔ جب کھا پی کر فارغ ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ اور حضور ﷺ پہلے وضو ہی سے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تو فاطمۃ الزہراؓ نے عرض کی۔ حضور ﷺ! وضو کر لیجیے۔ اور پھر جو الفاظ کبھی حضور ﷺ کی زبان اقدس سے سنے تھے وہ دہرا دیئے۔ آنحضور ﷺ سن کر مسکرائے۔ فرمایا۔ بیٹی! دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اونٹ کا گوشت تھوڑا ہی تھا؟[1]

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لائے' تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ دونوں کم سن بچے (حسنؓ و حسینؓ) رو رہے ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ سے ان کے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو انہوں نے کہا۔ یہ بچے بھوک سے روتے ہیں اور گھر میں کھانے پکانے کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی جناب مرتضیٰؓ باہر نکل گئے۔ چند قدم ہی گئے تھے کہ ایک دینار کہیں سے مل گیا۔ آپ وہ لے کر فاطمہؓ کے پاس آئے۔ اور بتایا کہ فلاں جگہ سے ملا ہے۔ جناب فاطمہؓ نے فرمایا۔ فلاں یہودی کی دکان پر جایئے اور اس کا آٹا خرید لایئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس دکان پر پہنچے اور آٹا خریدا۔ دوکاندار اگرچہ یہودی تھا مگر آنحضور ﷺ کا عقیدت مند تھا۔ پوچھنے لگا' آپ انہیں کے داماد ہیں نا! جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہاں! سچ کہتے ہو۔ اس نے کہا۔ پھر یہ دینار بھی لے جایئے اور آٹا بھی لے جایئے۔ حضرت علیؓ نے دینار دینے پر ہر چند اصرار کیا' مگر وہ نہ مانا۔ جناب علی المرتضیٰؓ آٹا گھر لے آئے اور سیّدہ

(۱) مسند احمد ۲۸۳/۶

فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ کہ اس یہودی نے بلا قیمت آٹا دے دیا ہے۔ سیدہ نے کہا۔ اب بازار جایئے اور اس سے ایک درہم کا گوشت لے آیئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ گوشت لائے۔ تو سیدہ نے کھانا تیار کیا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھانے پر بلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ تو فاطمہ زہراؓ نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ کہ اس طرح دینار ملا تھا اور اس طرح آٹا اور گوشت آیا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے جائز قرار دیں تو اسے ہم کھائیں ورنہ نہ کھائیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھالو' تو پھر لقمہ منہ میں ڈالا۔ (۱)

اللہ اللہ! ان بزرگوں کو اطاعت رسول اور اتباع سنت کا کس قدر شوق تھا۔ وہ جو کام کرتے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے کرتے اور یہ دریافت کر لیتے کہ شریعت میں یہ جائز بھی ہے کہ نہیں۔

غور کیجیے! کہ جو بیٹی شکل وصورت میں' نقش ونگار میں' بول چال میں' رنگ ڈھنگ میں' رفتار وگفتار میں' خُوبُو میں' عادات وخصائل میں حضرت والد گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ تھی' وہ اعمال وکردار میں کیوں نہ ان کے مشابہ ہوتی؟ اور کیوں نہ ذوق وشوق سے والد گرامی کی سنت مطہرہ پر چلتی؟ حسن اتفاق یہ کہ شوہر بھی حد درجہ کا سنت کا پروانہ ملا۔ اور یہ دونوں (علیؓ وفاطمہؓ) عشق رسول اور اطاعت سنت میں اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ علیؓ کوئی بات کوئی کام کوئی مسئلہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کرتے دیکھتے تو فوراً بھاگے بھاگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور پوچھتے۔ حضور! فاطمہؓ نے یہ کام اس طرح کیا ہے یہ مسئلہ اس طرح بتایا ہے' یہ بات یوں بیان کی ہے' فرمایئے کیا وہ جائز ہے؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''ہاں'' میں جواب ارشاد فرماتے تو وہ بھی اس پر عمل کرنے لگتے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''نہیں'' کہتے تو فوراً جا کر

---

(۱) ابوداؤد' کتاب اللقطہ ج۱ص۲۴۷

سیدہ کو مطلع کرتے۔ کہ آنحضور ﷺ تو اس سے منع فرماتے ہیں۔ اس طرح اگر فاطمہؓ حضرت علیؓ کا عمل دیکھتیں اور انہیں شک گزرتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے یا نہیں۔ تو معاً آنحضرت سے دریافت کرتیں۔ اور جب اطمینان ہو جاتا تو پھر خود بھی اس پر عامل ہو جاتیں۔

جناب رسول مقبول ﷺ نے شروع شروع میں قربانی دینے والوں کو قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ حضرت علیؓ کو اجازت ملنے کا علم نہ تھا۔ ایک بار وہ سفر سے واپس آئے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ان کے آنے سے پیشتر قربانی کی ہوئی تھی۔ وہی گوشت ان کے سامنے رکھ دیا۔

جناب علی المرتضیٰؓ نے دیکھا تو فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے اس کے کھانے سے منع کیا ہے"۔ سیدہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ اب حضور ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت دے دی ہے۔" مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلی نہ ہوئی۔ فوراً دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں! اب تم یہ گوشت کھا سکتے ہو۔ حضور ﷺ سے اطمینان پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ گوشت تناول کیا۔ (۱)

اسی طرح ایک مرتبہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز کے بعد دیر تک کوئی دعا پڑھتے رہے۔ جب وہ فارغ ہوئے تو فاطمہؓ نے پوچھا آپ نماز کے بعد کیا پڑھتے رہے ہیں؟

فرمایا فلاں وظیفہ کرتا رہا ہوں۔ پوچھا یہ آپ نے کہاں سے سیکھا ہے؟ فرمایا پرسوں جناب نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا۔ یہ سنتے ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علیؓ سے

---

(۱) مسند احمد ۶/۲۸۲

اجازت لی اور آستانہ نبوت پر گئیں۔ حضور ﷺ سے دریافت کیا۔ کہ کیا فلاں دعا اور فلاں وظیفہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بتایا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ ہاں میں نے انہیں بتایا ہے۔ جب جا کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تسلی ہوئی۔ اور پھر نماز کے بعد وہ بھی اس کا ورد کرنے لگیں۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ذرا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاؤ۔ اور پوچھ آؤ۔ کہ اگر نماز میں جی متلانے لگے۔ اور تھوکنے کی ضرورت پڑے تو کیا کرنا چاہیے؟ حضرت علی المرتضیٰؓ نے وہیں کھڑے کھڑے جواب دیا۔ میرے خیال میں یوں کرنا چاہیے۔ سیدہؓ نے سن کر کہا۔ یہ تو پھر آپ کی رائے ہوئی! نبی کریم ﷺ کا ارشاد تو نہ ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ہر چند کہا کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ میں نے حضور ﷺ ہی سے سنا ہے۔ مگر فاطمہؓ نہ مانیں' کہنے لگیں' یہ جو آپ نے ''میرے خیال میں'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے مجھے شک پڑ گیا ہے۔ آپ ضرور جایئے اور دریافت کر کے آیئے۔ چنانچہ حضرت علیؓ گئے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا۔ پھر آپ کی تسلی ہوئی۔

الغرض' ان حضرات کا اٹھنا بیٹھنا' سونا جاگنا' کھانا پینا' تمام نظام عمل' سنت کے مطابق تھا۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری پوری اتباع اور اطاعت کرتے تھے۔ کیا مجال! جو آپ ﷺ کے نقش پا کے خلاف ذرا ادھر ادھر قدم رکھیں۔ وہ جو کرتے تھے اور جو کچھ کہتے ٹھیک وہ رضائے الٰہی سنت رسول کے لیے کرتے اور کہتے تھے۔ ٹھیک لفظوں میں یوں کہنا چاہیے۔ کہ وہ زندہ ہی قرآن وسنت کی پیروی کے لیے تھے۔ اور یہی دونوں چیزیں ان کے دین وایمان کی جان تھیں۔

لیکن حیف اور صد حیف! کہ آج ہماری بہنوں کو یہ خبر ہی نہیں کہ قرآن کیا ہے؟ اور سنت یا حدیث کسے کہتے ہیں؟ اگر کسی نے قرآن اور سنت کا نام سن رکھا ہے تو

اسے یہ معلوم نہیں کہ قرآن وسنت میں لکھا کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے کیا احکام ہیں؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا فرامین ہیں؟ جیسے قرآن وسنت سے کوئی غرض ہی نہیں وہ تو سنی سنائی باتوں' قیاسوں اور وہموں سے کام لیتی ہیں۔ جو کچھ کسی نے بتا دیا وہی پلے باندھ لیا۔ اسی کو حق قرار دے دیا۔ اسی لیے تو وہ رسموں اور رواجوں کے پیچھے مرتی ہیں۔ دین جاتا ہے تو جائے مگر فضول رسموں کو ضرور ادا کرنا ہے۔ ایمان میں خلل آتا ہے تو آئے لیکن بیہودہ رواجوں کو ضرور اپنانا ہے۔ ہماری خواتین اگر آج بھی وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرح پابند قرآن وسنت بن جائیں۔ اور وہ ہر بات' ہر کام میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں تو اپنا گھر جنت میں بنوا سکتی ہیں اور سَیِّدَۃُ النِّسَآءَ الْعَالَمِیْن کی ہمسائی بننے کا شرف حاصل کر سکتی ہیں۔ محترمہ سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کو بھی جو عزت اور شان ملی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور پیروی ہی سے ملی۔ آپ بھی اگر اپنے رب اور رسول کی فرمانبردار اور متبع بن جائیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بھی کونین کی عزت وعظمت عطا کر سکتا ہے۔ زہے قسمت!

❀❀❀

سوتیلی ماؤں کی اطاعت

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ سوتیلی ماں کو ماں ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اگر بہ مجبوری اُسے ماں سمجھ بھی لیا گیا ہو' تو اس کا ادب واحترام نہیں کیا جاتا' اس کا کہنا نہیں مانا جاتا' ہر بات میں اس کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ دوسروں سے اس کے گلے شکوے کیے جاتے ہیں۔ اس پر سچے جھوٹے الزام لگائے جاتے ہیں۔ اس کی بے عزتی روا رکھی جاتی ہے اور اس کے خلاف باپ کے کان خوب بھرے جاتے ہیں۔ ادھر سوتیلی مائیں بھی خاوند کی پہلی اولاد کو اچھا نہیں سمجھتیں۔ اور وہ بھی اس تاک میں رہتی ہیں کہ جیسے بھی ہو سکے اسے ذلیل ورسوا کیا جائے اور اگر بن پڑے تو گھر سے نکال دیا جائے تاکہ وہ تمام حقوق سے محروم ہو جائے۔

لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا وہ نیک بخت اور نیک طینت خاتون تھیں جنہوں نے سوتیلی ماں کو سگی ماں سمجھ کر ان کی اتنی خدمت اور فرمانبرداری کی' کہ دنیائے نسواں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بتول محترم رضی اللہ عنہا کی حقیقی والدہ تو شیر خوارگی ہی میں جنت کو سدھار گئی تھیں' اس کے بعد انہیں سوتیلی ماؤں سے سابقہ پڑا۔ عام طور پر کسی ایک ہی سوتیلی ماں سے بن نہیں آتی مگر سیدہ فاطمہؓ کی دو نہ چار' اکٹھی دس سوتیلی مائیں تھیں جن کی وہ برابر عزت کرتیں۔ حقیقی ماؤں کی طرح ان کے ادب آداب بجالاتیں اور جس کام کا حکم دیتیں بخندہ پیشانی اس کی تعمیل کرتیں۔ وہ جو کام کہتیں اسے ہنسی خوشی سرانجام دیتیں۔

ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا حکم دیتی ہیں کہ فاطمہ! آج سارے گھر میں جھاڑو تم نے دینا ہوگی۔ بتولؓ کہتی ہیں حاضر ہوں، مادر مہربان! آج کیا؟ روزانہ گھر کی صفائی کر دیا کروں گی۔

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ فاطمہؓ! ذرا گھر کی دیواریں تو لیپ دو۔ سیدہؓ اٹھتی ہیں اور سب کام چھوڑ کر دیواروں کی لپائی شروع کر دیتی ہیں۔

ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اے فاطمہ! تو میرا کام تو کرتی ہی نہیں۔ آ ذرا میرے برتن تو مانجھ ہو کر صاف کر دے۔ دختر رسول جواب دیتی ہیں۔ ام محترم! کب میں نے آپ کی نافرمانی کی تھی؟ آپ تو مجھے کوئی کام بتاتی ہی نہیں۔ چلیے، میں ابھی حاضر ہوئی۔ اور برتن صاف کیے دیتی ہوں۔ چنانچہ برتنوں کی صفائی میں ان کا ہاتھ بٹاتی۔

ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں۔ فاطمہ! میں چند روز کی مہمان ہوں۔ کبھی کبھی میرا کام کر جایا کرو۔ بنت نبی عرض کرتی ہیں:

اماں جان! میں آپ ہی کی تابع فرمان ہوں، انشاء اللہ روزانہ آپ کی خدمت کیا کروں گی۔ آپ سب کام میرے ذمے چھوڑ دیئے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: فاطمہ! آج میری طبیعت خراب ہے۔ ذرا گھر آنا۔ جناب زہراؓ جاتی ہیں اور گئے رات تک انہیں مٹھی چاپی کرتی ہیں۔

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اٹھتی ہیں اور اپنے گھر کی چھت مرمت کرنے لگتی ہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ کہہ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیتی ہیں:

کہ پیاری اماں! جس وقت میں آپ کے پاس موجود ہوں، اس وقت آپ اس قسم کے کام نہ کیا کریں اور مجھے حکم دیا کریں۔

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ذرا تیز مزاج اور غصیل تھیں اور اس میں

اچنبھے کی کوئی بات نہیں یہ اپنی اپنی عادت ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے کسی بات پر فاطمہ رضی اللہ عنہا جھڑکا۔ کسی نے سیدہ سے کہا۔ اب آپ ان کے پاس نہ جایا کریں۔ فاطمہؓ بولیں کیوں نہ جاؤں؟ وہ تو میری ماں ہیں۔ مجھے لاکھ برا بھلا کہیں، وہ پھر بھی میری ماں اور میرے لیے قابل تکریم ہیں۔ اور میں ان کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہوں۔

ام المومنین جویریہؓ نے ایک دفعہ آزمائش کے طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کوئی سخت کام بتایا۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا فوراً تعمیل حکم کے لیے اٹھیں۔ تو انہوں نے ان کا منہ سر چوم لیا۔ اور یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ میں تو تمہارا امتحان لینا چاہتی تھی۔ واقعی تم ایک فرمانبردار بیٹی ہو۔

ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ جب بھی موقعہ ملتا۔ فاطمہؓ میرے ہاتھ اور پاؤں دبایا کرتیں اور میرا کام کرنے میں خوشی محسوس کرتیں۔

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ بیٹی! جس قدر تم ہماری خدمت کرتی ہو۔ اس سے زیادہ اپنے ابا جانؐ کی خدمت کیا کرو۔ فاطمہؓ نے جواب دیا۔ محترم امی! حضرت والد گرامی کی خدمت میں اگر تھوڑی بہت کوتاہی بھی ہو جائے تو مجھ سے باز پرس نہ کریں گے لیکن آپ کی خدمت کرنے کو بھی میں اپنے لیے اہم فرض سمجھتی ہوں۔ اور ابا حضور ہی کا ارشاد ہے کہ ''ماؤں کا خاص خیال رکھا کرو۔ اور ان کے قدموں تلے جنت ہے۔''(۱)

یہی وجہ تھی کہ امہات المومنینؓ بھی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو حقیقی بیٹی کی طرح سمجھتیں اور ان سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتیں بلکہ دوسروں کے سامنے ان کے فضائل و خصائل بیان کرتیں اور ان سے شفقت بھی کرتیں اور ان کا احترام بھی بجا لاتیں۔ غور کا مقام ہے جب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہراتؓ سے

(۱) حدیث مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں: اِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ

مساویانہ برتاؤ کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے تو ان کی محبوب دختر جو سیدۃ النساء العالمین تھی اپنی سوتیلی ماؤں سے کیونکہ بدسلوکی کر سکتی تھی؟ اس کو تعلیم ہی ایسی ملی تھی کہ دین و دنیا کا کوئی فرض چھوٹنے نہ پائے۔ اور ایسا کوئی عمل سرزد نہ ہو جائے جس سے اللہ و رسول ناراض ہو۔

ہماری بنات قوم کو بھی اس معاملہ میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی پیروی کرنا چاہئیے۔ اگر انہیں کسی سوتیلی ماں سے واسطہ پڑ جائے تو چاہیے کہ وہ سیدہ محترمہ کی طرح اس سے نیک سلوک کریں۔ اس کی اطاعت کریں۔ اسے خوش رکھیں۔ اگر وہ اس کی فرمانبرداری کریں گی تو یہ ہو نہیں سکتا کہ سوتیلی ماں بھی ان کی قدر نہ کرے۔ یہ دنیا تو معاوضہ چاہتی ہے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے اخلاق سے دشمن کو دوست بنالیا تھا۔ اور تم سوتیلی ماں کے دل میں گھر نہیں کر سکتیں؟

❀❀❀

شوہر کی فرمانبرداری

اسلام نے عورت کو لباس سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط (۱) ''یعنی وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو'' اس کی چند وجوہات ہیں کہ:

۱۔ جس طرح لباس آدمی کی زینت ہے۔ اسی طرح عورت مرد کی زینت ہے۔

۲۔ جس طرح لباس آدمی کا پردہ اور عزت ہے۔ اسی طرح عورت بھی اس کا پردہ اور عزت ہے۔

۳۔ جس طرح آدمی کو وہی پوشاک پسند آتی ہے جو اس کے بدن کے مناسب حال ہو۔ اسی طرح وہی عورت پسند کی جاتی ہے جو مرد کی طبیعت کے مطابق اور اس کی مزاج شناس ہو۔

۴۔ جس طرح لباس میلا ہو جائے تو اسے دھونے اور صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر عورت کے عادات و خصائل میں فرق پڑ جائے تو اس کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ اس میں شفقت و حکمت سے کام لینا چاہیے۔

۵۔ جس طرح لباس پھٹ جائے تو اسے اتار پھینکا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کی عصمت پر حرف آ جائے یا وہ مرد کی عزت قائم نہ رکھے یا اس کی نافرمانی حد سے

(۱) سورۃ البقرہ آیت ۱۸۷

بڑھ جائے تو اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی موقع اور اختیار دیا گیا ہے کہ اگر حالات ناگفتہ بہ ہو جائیں اور مرد کے ساتھ اس کی گزر بسر ممکن نہ ہو تو وہ بھی مرد سے پیچھا چھڑا سکتی ہے۔ (عورت کے اس حق کا نام خلع رکھا گیا ہے۔)

لیکن عام حالات میں میں مرد ہی کو فضیلت و برتری عطا کی گئی ہے کیونکہ دونوں میں سے ایک کو فضیلت دیئے بغیر نظام نہیں چل سکتا۔ چنانچہ بعض وجوہات کی بنا پر وہ فضیلت مردوں کو دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ [1] ''مردوں کو عورتوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔''

اس برتری کے دو بنیادی اسباب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بیان فرمائے ہیں: ایک سبب یہ ہے کہ مرد کو مردانگی' قائدانہ صلاحیت اور امور مہمہ کو نمٹانے کی استعداد بخشی۔ یہ ایک فطری اور پیدائشی برتری ہے جو اسے ودیعت کی گئی ہے

اور دوسرا سبب یہ ہے کہ مرد اہل وعیال کے نان ونفقہ اور اخراجات کا ذمہ دار ہے جس کی فکر اس کے سر پر سوار رہتی ہے اور جس کے لیے وہ خون پسینہ ایک کر دیتا ہے چنانچہ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے دو جملوں میں مذکورہ جملے کے ساتھ ہی بیان فرمادیا ہے' چنانچہ فرمایا بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ. [2] یعنی مرد کی ایک فضیلت تو ظاہر ہے مرد ہونے کی وجہ سے ہے' اور دوسری وجہ فضیلت روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی وجہ سے ہے۔

اسلام نے مرد/عورت دونوں کے حقوق بیان کیئے ہیں۔ مرد سے کہا کہ وہ عورت کے حقوق ادا کرے۔ اور عورت کو حکم ملا کہ وہ خاوند کی فرمانبرداری کرے۔ جناب رسول مقبول ﷺ نے مردوں کی فضیلت اور مستورات کی اطاعت کا ذکر

(۱) سورۃ النساء آیت ۳۴۔ (۲) ایضاً

کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اگر انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں سب سے پہلے عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔''(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد مبارک میں بھی عورتوں کو اپنے خاوندوں کی اطاعت اور عزت کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اور نافرمان عورت کو دوزخی قرار دیا ہے۔ جب اسلام کی یہ تعلیم ہو۔ اور جب سیدہ فاطمہ بتولؓ نے یہ تعلیم حاصل کی ہو۔ تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اپنے عالی مقام شوہر کی اطاعت نہ کرتیں ان کا حکم بجانہ لاتیں اور ان کے لیے جان و دل فرش راہ نہ کرتیں۔؟

سیّدہ دو عالم رضی اللہ عنہا کا دستور تھا کہ جب علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لاتے تو سلام اور مرحبا کہہ کر ان کا استقبال کرتیں۔ بیٹھی یا لیٹی ہوتیں تو احتراماً اٹھ کھڑی ہوتیں۔ یہ نہیں کہ لیٹی رہتیں۔ یا ان سے غافل رہتیں۔ اور انہیں مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہتی۔ انہیں بستر پر بٹھاتیں۔ ان کے پاؤں دباتیں۔ مٹھی چاپی کرتیں۔ پانی پلاتیں۔ کھانے کا وقت ہوتا تو کھانا پیش کرتیں۔ غرض ان کی طرف پوری توجہ دیتیں۔ ان کا بے حد احترام کرتیں۔ وہ جو بھی حکم دیتے اس کی تعمیل کرتیں اور حتیٰ الامکان انہیں ناراض نہ ہونے دیتیں۔ باوجود یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت نادار اور مفلس تھے۔ اور محنت و مشقت سے تھوڑی اجرت لے آتے تھے۔ عام طور پر فاقہ ہی میں گزرتی تھی۔ مگر حضرت سیدۃ النساءؓ بھوکی اور پیاسی رہ کر بھی ان کی خدمت میں لگی رہتیں۔ اور اس میں کسی قسم کی غفلت و کوتاہی برتنا گناہ خیال کرتیں۔

ایک دفعہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کسی کام میں مصروف تھیں۔ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں بلایا۔ مگر مصروفیت کی وجہ سے جانے میں ذرا دیر ہوگئی۔ جب وہ گئیں تو حضرت علیؓ نے پوچھا۔ کیا تم نے اس لیے دیر کر کے آئی ہو کہ میں نادار

(۱) ابن ماجۃ النکاح: باب حق الزوج علی المرأۃ ح ۱۸۵۳۔ ابو داؤد: النکاح: باب حق الزوج علی المرأۃ۔

اور فاقہ کش ہوں؟ سیدہؓ نے جواب دیا۔ نہیں۔ واللہ یہ بات نہیں ہے دراصل میں فلاں کام میں مصروف تھی اس لیے تاخیر ہوئی۔ ورنہ میں تو ہر وقت آپ کی خدمت گذار ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدہ محترمہ کے ان الفاظ سے بہت خوش ہوئے۔ اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

ایک مرتبہ شیر خدا رضی اللہ عنہ سر پر گھاس کی گٹھڑی اٹھائے گھر تشریف لائے اور حضرت فاطمہؓ سے کہا۔ ذرا گٹھڑی اتارنے میں مجھے سہارا دو۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت بھی سیدہ عالم رضی اللہ عنہا بہت مصروف تھیں۔ اور تعمیل ارشاد میں قدرے دیر ہو گئی' حضرت علیؓ نے گٹھڑی زمین پر دے ماری اور کہا: ''معلوم ہوتا ہے' تم گھاس کی گٹھڑی کو ہاتھ لگانے میں ہتک محسوس کرتی ہو۔'' سیدہ فاطمہؓ نے عرض کی' ''نہیں جناب! میں ایسے کاموں کو کیسے ہتک سمجھ سکتی ہوں' جب کہ میرے والد بزرگوار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کام خود اپنے دست مبارک سے کرتے ہیں۔ میں تو مصروفیت کی وجہ سے نہ آ سکی۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غصہ دور ہو گیا۔ اور وہ مسکراتے ہوئے اندر چلے گئے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زندگی بھر کبھی یہ خیال نہیں کیا' کہ میں اس باپ کی بیٹی ہوں' جو سرور کائنات' شاہ کونین' خاتم النبیین اور حبیب اللہ ہے' نہ کبھی انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جتلایا کہ میرا باپ رتبے میں آپ سے بہت بڑا ہے اور آپ ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔۔ اگر وہ ایسا کرتیں تو شاید وہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری اور خدمت گذاری بھی نہ کر سکتیں' انہوں نے تو اپنے ابا جان محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا تھا' کہ جب تک بیٹی کنواری ہو اس کی جنت اور جہنم ماں باپ کی اطاعت و خدمت میں ہے اور جب اس کی شادی ہو جائے تو اس کی جنت خاوند کے قدموں میں ہے۔[1] اگر خاوند اس کی خدمت سے خوش رہا تو جنت میں جائے گی۔

(۱) بیہقی ۷/۲۹۱' حاکم ۲/۱۸۹ مختصرا بمعناہ

اگر ناراض رہا تو جہنم میں جھونکی جائے گی۔

سیدہ محترمہؓ کے حالات ان مستورات کے لیے مرقع نصیحت وموعظمت ہیں' جو بات بات میں شوہروں کی نافرمانی کرتی ہیں' وہ جو کہتے ہیں' وہ ان کے خلاف کرتی ہیں' خاوند کی اطاعت وفرمانبرداری اور خدمت وتواضع فرض نہیں سمجھتیں اور اس طرح وہ دو قسم کے عذاب مول لیتی ہیں' ایک تو وہ دنیا کی نظروں سے گر جاتی ہیں' اعزاء اقرباء انہیں ذلیل جانتے ہیں اور ان کی عزت نہیں کرتے۔ وہ شوہروں سے گالیاں لیتی ہیں۔ مار کھاتی ہیں۔ گھر سے بے عزت کر کے نکالی جاتی ہیں اور اکثر ایسی نافرمان عورتوں کو طلاقیں بھی مل جاتی ہیں۔ دوسرے وہ اللہ تعالیٰ کی گنہگار بنتی ہیں۔ اس کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اپنی جگہ دوزخ میں بناتی ہیں' اور آخرت میں سزا پانے کی تیاری کرتی ہیں۔

ایک مسلمان شادی شدہ عورت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کی اطاعت کرے۔ اس کی خدمت بجا لائے اور اسے خوش رکھے۔ مگر آج کل عام مستورات اس کی پرواہ نہیں کرتیں۔ اور میکہ والوں (ماں باپ چچا تایا ماموں وغیرہ) کی بڑائی جتا کر خاوند کو ذلیل سمجھتی اور خانہ خرابی کی دعوت دیتی ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مبارک اسوہ انہیں کامیاب اور معزز بیوی بنا سکتا ہے۔

شکر رنجی

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں دو چار متنفس رہتے ہوں' وہاں اگر عام طور پر محبت والفت جلوہ گر ہوتی ہے تو کبھی کبھی ان میں ناراضگی اور چپقلش بھی کارفرما ہو جاتی ہے اور یہ بھی دستور ہے کہ جب دو نفوس میں محبت حد سے بڑھ جاتی ہے تو گاہے وہ شکر رنجی کا لطف بھی اٹھاتے ہیں۔ اور پھر جب ان میں صفائی ہوتی ہے تو وہ محبت پہلے سے بھی زیادہ صاف شفاف اور مستحکم ہوتی ہے۔ اس کلیہ سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں رہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے کسی وقت خفا ہو جاتے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی کبھی حضور ﷺ سے روٹھ بیٹھتی تھیں۔ اگرچہ ان کی یہ ناراضگی اور خفگی ایسی نہ ہوتی جو مدت مدید تک قائم رہے۔ کبھی حضور ﷺ اپنی بیویوں کو منا لیتے اور کبھی وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو راضی کر لیتیں۔ اور اس طرح نہ صرف رنجیدگی ہی رفع ہو جاتی' بلکہ باہمی تعلقات میں اور بھی خوش گواری واستواری پیدا ہو جاتی' جو دوسروں کے لیے بہت سبق آموز ہوتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تو آخر اسی رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد و تربیت یافتہ تھے' ان دونوں میں بھی باہم ناراضگی ہو جاتی تھی۔ کبھی فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹھ جاتیں اور کبھی علی رضی اللہ عنہ خفا ہو جاتے' لیکن بہت جلد ان میں صلح صفائی ہو جاتی' جو زن وشوئی یعنی مرد اور عورت کے باہمی تعلقات پر اچھا اثر ڈالتی اور دیکھنے سننے والے اس سے عمدہ اثر لیتے۔ چنانچہ اس مقدس جوڑے میں کبھی رنج وملال کے آثار نمایاں

ہوتے تو خود نبی کریم ﷺ ان کی ناراضگی کو رفع کرنے کی کوشش فرماتے۔ اور دونوں کو الگ الگ سمجھاتے کہ یوں کرنا چاہیے' یوں رہنا چاہیے' یوں تعلقات قائم رکھنے چاہئیں۔ میاں بیوی کے یہ حقوق ہیں' یہ فرائض ہیں اور ان کی ادائیگی اس طرح پر ہونی چاہیے۔

ایک بار حضور انور ﷺ کو پتہ چلا۔ کہ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپس میں ناراض ہیں۔ آپ فوراً ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اور دونوں میں صفائی کرادی۔ جب باہر نکلے تو لوگوں نے پوچھا۔

''حضور! کیا بات ہے؟ آپ فاطمہؓ کے گھر گئے تھے تو چہرہ مبارک ملول و محزون تھا۔ اور اب جو واپس تشریف لائے ہیں تو مسرت کے آثار نمایاں ہیں۔''

آنحضور ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے ان دو ہستیوں میں صلح کرادی ہے' جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہیں۔''(۱)

ایک دفعہ حضرت علیؓ سیدہ فاطمہؓ سے ناراض ہو کر گھر سے چلے گئے مسجد نبوی کی ایک دیوار کے ساتھ لیٹ گئے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو انہیں تلاش کرنے لگے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں دیکھا تو علی المرتضیٰؓ خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔ رسول مقبول ﷺ نے آن کو بلایا اور پیٹ سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا:

قُمْ يَا اَبَا تُرَابُ ''ابوتراب اب اٹھو۔''(۲)

بس اتنی سی بات سے ان کا غصہ جاتا رہا اور وہ گھر چلے گئے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۶

(۲) بخاری' فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم: باب مناقب' علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ح ۳۷۰۳ مسلم' فضائل الصحابۃ: باب من فضائل علی رضی اللہ عنہ ح ۲۴۰۹

اسی طرح ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کچھ ایسا برتاؤ کیا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے برداشت نہ کرسکیں اور روٹھ کر آنحضرت ﷺ کے گھر چلی گئیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا:

''بیٹی کیسے آئیں؟''

جناب بتول رضی اللہ عنہا نے سب واقعہ سنا دیا۔ کہ علیؓ نے مجھ سے یہ کہا ہے اور یوں کہا ہے۔

''اب میں ناراض ہوکر چلی آئی ہوں''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''بیٹی تم اسی وقت علیؓ کے گھر چلی جاؤ۔ اور ان سے معافی مانگو۔[1] (ورنہ یاد رکھو، اگر تم آج اس حال میں مرجاؤ کہ علیؓ تم پر ناراض ہوں تو محمدؐ تیرے جنازہ میں شریک نہ ہوگا''۔) اس کے بعد آپ نے سمجھایا: بیٹی! عورت کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کا کہا مانے۔ اس کی فرمانبردار ہوکر رہے۔ تمہیں ہر حالت میں علیؓ کا حکم ماننا اور سختیوں کو جھیلنا چاہیے۔ دنیا میں کوئی جوڑا ایسا نہیں ہے جس کے درمیان کبھی خفگی پیدا نہ ہو، اور نہ یہ ممکن ہے کہ مرد ہر بات میں عورت کی مرضی پر ہی چلے۔''

سیدہ رضی اللہ عنہا یہ نصیحت سن کر اپنے گھر لوٹ گئیں۔ اور حضرت علیؓ بھی کہیں یہ بات سن رہے تھے۔ انہوں نے بھی قسم کھالی کہ اب کبھی ایسا طرز عمل اختیار نہ کروں گا جس سے فاطمہؓ کی دل آزاری ہو اور انہیں تکلیف پہنچے۔

جناب علی المرتضیٰؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی باہمی شکررنجیاں بھی ہمیں کئی قسم کے سبق دیتی ہیں۔ مثلاً:

یہ کہ داماد سے حلیمی اور نرمی سے پیش آنا چاہیے۔ جو لوگ بیٹی کی سائیڈ لے کر

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۶

داماد سے سختی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ وہ بالآخر نقصان اٹھاتے ہیں۔ بیٹی کو خوش رکھنا ہو تو داماد کو خوش رکھیں۔ اور بیٹی کے سسرال سے حسن سلوک رکھیں۔

اور یہ کہ اگر عورت خاوند میں ناراضگی پیدا ہو جائے۔ تو دونوں کو فوراً مصالحت کی کوشش کرنی چاہیے۔ دونوں ہی کو جھکنا چاہیے۔ خصوصاً عورت کو تو ہر حالت میں مرد سے معافی مانگنی چاہیے۔ کیونکہ مرتبہ آخر مرد ہی کا بڑا ہے۔

لڑکی کے والدین کا فرض ہے کہ اگر بیٹی اور داماد میں رنجش ہو جائے۔ اور بیٹی خفا ہو کر میکے آ جائے تو جلد از جلد اسے اپنے گھر لوٹا دیں۔ اور اسے نصیحت کریں۔ کہ اب تم پر سب سے فائق حق تمہارے شوہر کا ہے تم سے سب سے بڑھ کر اس کی خوشنودی کا خیال رکھو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات یاد دلائیں۔ داماد کو سمجھانا ہو تو بہت نرمی سے سمجھائیں۔ بعض لوگ داماد پر برس پڑتے ہیں، قصور چاہے بیٹی کا ہو۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ایسے لوگ بیٹی کی عمر تباہ کرتے اور اسے بسانے کی بجائے اجاڑتے ہیں۔

زمانہ حال کے مرد و زن اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی تعلقات کو پیش نگاہ رکھیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کو اپنائیں۔ حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ایام ہائے لیل و نہار کو سامنے رکھیں تو حالات کبھی خراب نہ ہوں۔ اور تباہ و برباد ہونے سے بچ جائیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت علی اور سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی مبارک سیرت کو اپنا کر لوگوں کی زندگی سنور سکتی ہے اور گھر میں دوزخ کے شعلے بھڑکانے کی بجائے اسے بہشت کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔ اللہ توفیق بخشے۔ آمین۔

اقرباء سے محبت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے ہر مسلمان مرد و عورت کو صلہ رحمی کی تاکید فرمائی ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ رشتہ داروں، عزیزوں اور قریبیوں سے حسن سلوک، محبت اور احسان سے پیش آؤ۔ اور "اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی" کے فرمان پر عمل کرو اور قطع رحمی سے بچو۔[1] چنانچہ اسی حکم کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی اپنے اقرباء و اعزاء سے بے حد محبت تھی۔ اور وہ ان سے بڑے اخلاق و مروت سے پیش آتیں اور ان پر احسان فرمایا کرتی تھیں۔

ایک عورت کے لیے میکہ میں ماں باپ کا رتبہ سب سے بڑا ہے۔ لیکن سسرال میں شوہر کے بعد خسر اور خوش دامن والدین ہی کی طرح بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اس زمانہ میں لڑکیاں ساس اور سسر کی تعظیم و تکریم کرنا فرض نہیں سمجھتیں۔ ان کی خدمت کرنا تو درکنار، ان بیچاروں کا گھر میں رہنا اور انہیں کھانا دینا ہی سخت مشکل ہوتا ہے۔ مگر فاطمہ بتولؓ نے اپنی ساس محترمہ فاطمہ اسد کی خدمت کر کے دنیا میں ایک مثال قائم کر دی۔ اور ثابت کیا کہ بہو ساس کے تعلقات اس طرح ہوتے ہیں۔ ساس سے خلوص و محبت کا برتاؤ یوں کیا جاتا ہے۔ سیدہ کام کاج سے فارغ ہوتیں اور شوہر کی خدمت سے فرصت ملتی تو ساس کی خدمت میں لگ جاتیں ان کی ضرورت کا خیال رکھتیں۔ انہیں زیادہ کام نہ کرنے دیتیں۔ ان کو آرام سے رکھنے کی کوشش

---

(۱) سورۃ نحل آیت: ۹۰

کرتیں۔ ان کے کپڑے دھوتیں' انہیں کھانا کھلاتیں۔ انہیں نہلاتیں دھلاتیں ان کا بستر صاف کرتیں اور بچھاتیں اور اگر کوئی کام ان کے ذمہ ہوتا تو اس میں بھی ان کی مدد کرتیں۔ ان کی ساس کا اپنا بیان ہے:

"جس قدر میری خدمت فاطمہؓ نے کی۔ اتنی خدمت شاید ہی کسی بہو نے اپنی ساس کی ہو۔"

فاطمہ بنت اسد نے ایک بار یوں کہا:

"میری بہو جو دختر رسول ہے مجسمہ محبت ہے' بے حد خدمت گزار ہے۔ اور مجھے حقیقی ماں کی طرح جانتی ہے۔"

کیوں نہ جانتی' جبکہ اسے تعلیم ہی ایسی دی گئی تھی۔ نیز فاطمہ جب چھوٹی سی تھیں جبکہ ان کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ تو ان کی ساس فاطمہ اسدیہ نے قرابت داری کی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پرورش و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔

کاش! ہماری بہو بیٹیاں بھی اس راز کو سمجھیں اور سسرال میں جا کر اپنے خسر اور خوش دامن کی عزت اور خدمت اسی طرح کریں۔ جس طرح میکے میں والدین کی کرتی ہیں۔ ہمارے خیال میں صحیح بیٹی کی تعریف بھی یہی ہے کہ اس کا شوہر اس کی ساس غرض سب سسرال والے اس کی تعریف کریں یا کم از کم اکثر اس کا اچھا ذکر کریں۔

ارشاد نبوی ہے کہ "دنیا میں ہر انسان کے تین باپ ہیں:۔

ایک وہ جس کے نطفہ سے انسان پیدا ہوا' یعنی باپ۔

دوسرا وہ جس سے اس نے کچھ سیکھا یا پڑھا' یعنی استاد۔

تیسرا وہ جس نے اپنی بیٹی اسے نکاح میں دے دی۔ یعنی خسر۔"

گویا خسر اور خوش دامن بھی ماں باپ کے برابر ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ خود اپنے خسروں اور اپنی خوشدامنوں کی بہت عزت روا رکھتے تھے اور امت کو بھی ان کی عزت اور خدمت کرنے کا حکم دیتے تھے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں سے بھی بہت محبت تھی۔ اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو یہ بے چین ہو جاتیں۔ اگر انہیں آرام میں پاتیں تو خوشی محسوس کرتیں۔ کوئی بہن بیمار ہو جاتی تو اس کی تیمارداری کے لیے جاتیں' مزاج پرسی کرتیں اور ممکن خدمات بجالاتیں۔

جنگ بدر کے روز جب سیدہ فاطمہ کی بڑی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو وہ ان کی قبر کے پاس جا بیٹھیں اور رونے لگیں۔ آنحضرت ﷺ ان کے آنسو پونچھتے تھے اور تسلی دیتے تھے۔ (۱)

جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے رشتہ داروں سے محبت و مروت فرماتے تھے اسی طرح سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی ان سے محبت اور احسان فرماتیں اور ان کی عزت وتوقیر کرتیں۔ بڑوں کا اثر چھوٹوں پر پڑتا ہے۔ لہٰذا بڑوں کو چاہیے کہ وہ چھوٹوں کے لیے اچھا نمونہ پیش کریں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تو سیدہ رضی اللہ عنہا کے اپنے ہی قریبی تھے۔ کیونکہ ایک ہی گھر اور ایک ہی خاندان تھا۔

غزوہ موتہ میں جب آنحضرت ﷺ کے چچا زاد اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ تو حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"آج جعفر رضی اللہ عنہ شہداء میں داخل ہو گئے۔"

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شہادت کی خبر سنی' تو رونے لگیں۔ اور "وَاعَمَّاهُ. وَاعَمَّاهُ" (ہائے میرے چچا' ہائے میرے چچا) کہہ کر آنسو بہانے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"دیکھو بیٹی! زبان سے بھی کچھ نہ کہنا۔ اور سینہ کوبی مت کرنا۔"(۱)

اس سے حضور نبی کریم ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ مردے پر بین نہ کرنا۔ اس پر چلاّ کر اور چیخ کر نہ رونا اور نہ ہی چھاتی کوٹ کر ماتم کرنا۔ یہ سب طور طریقے کفار میں مروّج تھے۔

رسول اللہ ﷺ مردے پر چیخنے چلاّنے' اس کے بین کرنے اور پیٹ کر ماتم کرنے سے سخت نفرت فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ(۲)

"میں لوگوں سے بیزار ہوں۔ جو چیخ چلا کر روئیں' بین کریں۔ غم والم کے اظہار کے لیے کپڑے پھاڑیں اور گریبان نوچیں۔ اور جاہلیت کے بول بولیں۔"

افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمان حضرت شہ کونین ﷺ کی ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ خصوصاً عورتیں اپنے کسی عزیز کی موت پر چیخیں مارتیں' چلاّتیں' گلا پھاڑ کر روتیں۔ منہ پر دوہتڑ مارتیں اور پیٹ پیٹ کر سینے لال کرتی ہیں' یہ جانتی ہوئے کہ ایسا کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

علاوہ ازیں محرم الحرام میں ماتم کرنے اور بلا وجہ اپنا خون بہانے والے جوان بھی حضور ﷺ کے ارشاد گرامی پر غور کریں۔ کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے

(۱) روض الانف سیرت ابن ہشام فی غزوہ موتہ (مختصرا)
(۲) بخاری۔۱۲۹۵۔ حسن صحیح۔

کس طرح مردوں اور شہیدوں پر ماتم کرنے اور رونے چلانے سے منع کیا ہے اور کس طرح ایسے ماتمیوں سے بیزاری ظاہر فرمائی ہے۔ خاموشی سے آنسو بہانا بری چیز نہیں۔ البتہ بین سنانا چیخنا چلانا اور بہ تکلف رونا وغیرہ امور منع و ناجائز ہیں جن سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن وہ آپ کو ماننے کے باوجود آپ کی بات کو نہیں مانتے۔ حالانکہ آپ کو ماننا دراصل آپ کی بات کو ماننا ہے۔ آپ کی اطاعت در حقیقت آپ کے فرامین کی اطاعت کرنا ہے۔ ورنہ محض زبان سے ماننا اور صرف زبان سے محبت کا اظہار کرنا وزن نہیں رکھتا۔ اہل ایمان کا شیوہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو فوراً اور بلا چون و چرا مانتے ہیں البتہ کفار و منافقین اس سے بھاگتے ہیں۔[1] اسی اطاعت سے محبت کا پتہ چلتا ہے اگر واقعی محبت ہے تو اس کا لازمی تقاضا فرمانبرداری ہے۔ کیونکہ محب اپنے محبوب کا فرمانبردار و اطاعت گزار ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

''یعنی اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم ضرور اپنے محبوب کے اطاعت گزار ہوتے۔ کیونکہ محب (یعنی محبت کا دعویٰ کرنے والا) اپنے محبوب کا اطاعت گزار ہوا کرتا ہے۔''

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہمیں اپنے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت خاتون جنت سیّدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا سے محبت ہے تو ہمارے لیے از بس ضروری ہے کہ ہم ان کے ارشادات کے سامنے دل و جان سے سر تسلیم خم کر دیں۔

(۱) سورۃ الانفال آیت ۵۹ تا ۶۱۔

خدمت خلق

جناب رسول مقبول ﷺ نہ صرف اپنے تمام کام اپنے دست مبارک سے انجام دیتے تھے بلکہ وقتاً فوقتاً دوسروں کے کام بھی کیا کرتے تھے۔ آپ لوگوں کی خدمت کرنے میں ایک راحت اور مسرت محسوس کرتے تھے۔ کوئی شخص حضور ﷺ سے کسی کام کے متعلق عرض کرتا تو آپ ﷺ فوراً تیار ہو جاتے اور اپنا کام چھوڑ کر اس کی ضرورت پوری کر دیتے۔ آپ ﷺ اپنے ہوں یا بیگانے کسی کا کام کرنے میں ہتک نہ سمجھتے تھے۔ امت کو آپ نے حکم دیا ہے کہ تن آسان نہ بنو اپنے کام خود کیا کرو۔ نیز دوسروں کی خدمت بھی سرانجام دیا کرو جیسا کہ حدیث میں ہے "خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ"[۱] لوگوں میں سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو دوسروں کی خدمت بجالاتا ہے۔"

اور حضرت رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے:

سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ. قوم وملت کا سردار تو وہ ہے جو قوم کی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ اور دل وجان سے لوگوں کی تکلیفیں دور کرتا ہے۔

آنحضور ﷺ کی ان عادات و خصائل کا عکس فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا پر بھی پڑا۔ جس طرح ان کے باپ ﷺ سید الکونین ہو کر خادم خلق تھے۔ اسی طرح فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی سیدۃ النساء العالمین ہو کر خادمہ مخلوق بن گئیں۔ اور والد معظم ﷺ

(۱) مشکوۃ کتاب الجہاد: باب آداب السفر ح ۳۹۲۵ بحوالہ شعب الایمان

کی طرح دوسرے کاموں میں بھی مصروف رہنے لگیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ سیدہ اپنے کام میں مشغول ہوتیں اور کوئی عورت ان سے کسی کام کے لیے درخواست کرتی۔ تو وہ فوراً اپنا کام وہیں چھوڑ کر اس کا کام کرنے لگ جاتیں۔ اور اس میں ایک عجیب لذت وفرحت محسوس کرتیں۔

حضرت بتول رضی اللہ عنہا بہت مصروف خاتون تھیں۔ گھر کا سارا بوجھ ان کے سر پر تھا۔ گھریلو کاموں سے لمحہ بھر فرصت نہ ملتی تھی۔ ہم بتا چکے ہیں کہ سیدہ چکّی بھی پیستی تھیں' جھاڑو بھی دیتی تھیں۔ کپڑے بھی صاف کرتی تھیں۔ پانی بھی لاتی تھیں' چرخہ بھی کاتتی تھیں۔ کھانا بھی پکاتی تھیں۔ لباس کی مرمت اور سلائی بھی کرتی تھیں۔ بستر بھی بچھاتی تھیں۔ آٹا بھی گوندھتی تھیں۔ چولہا بھی سلگاتی تھیں۔ گھر کی لپائی اور صفائی بھی کرتی تھیں اور اپنے شوہر عالی مقام رضی اللہ عنہ کی ہر طرح سے خدمت بھی کرتی تھیں۔ پھر ساس کی خدمت بھی اپنے ذمہ تھی۔

لیکن اس قدر اشتغال وانہماک کے علاوہ ایک اور بارگراں بھی انہی کے دوش مبارک پر تھا۔ اور وہ تھا اولاد کی نگہداشت اور پرورش کا بوجھ۔ چنانچہ بچوں کو کھلانا پلانا' نہلانا دھلانا' ان کو تعلیم دینا' ان کی تربیت کرنا بھی سیّدہ رضی اللہ عنہا کے فرائض میں داخل تھا۔ علاوہ ازیں ایک اور اہم ترین فرض بھی تھا جس پر دنیا کے تمام امور فرائض قربان کیے جا سکتے تھے۔ یعنی عبادت وذکر الٰہی میں مشغول ہونا۔ اور سامانِ عاقبت جمع کرنا۔

بتائیے! ایسی منہمک خاتون' جس کا ایک ایک رواں دینی اور دنیوی فرائض کے انجام دینے میں مصروف ہو۔ اتنی فرصت کہاں رکھتی ہے کہ اپنے کام بھی کرے اور شوہر کی خدمت بھی سرانجام دے؟ معبودِ حقیقی کی بندگی بھی بجالائے اور دوسروں کے بھی ہاتھ بٹائے؟

مگر نہیں۔ وہ گھر کے بھی سب کام کرتی ہے' خاوند کو بھی خوش رکھتی ہے۔ خدائے کریم کی عبادت بھی کرتی ہے' اولاد کو بھی پالتی ہے اور مخلوق خدا کی خدمت بھی بجا لاتی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے ابا حضور ﷺ سے سن رکھا تھا کہ "مَنْ کَانَ فِیْ حاجته اخیه کان اللّٰه فِیْ حاجته"⁽¹⁾ جو مسلمان مرد عورت اپنے بھائی بہن کی حاجت پوری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔"

سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت خلق کا ایک واقعہ سن لیجیے۔ وہ یہ ہے کہ ایک روز آپ چکی پیس رہی تھیں' ہاتھوں میں چھالے پڑے ہوئے تھے۔ جو پیتے پیتے بدن مبارک پسینہ میں تر ہو گیا۔ سانس پھولنے لگی اور ہانپنے لگ گئیں۔ اسی حالت میں پڑوس سے ایک دردناک آواز ان کے کانوں میں پہنچی۔ سنتے ہی بے چین ہو گئیں۔ چکی وہیں چھوڑی۔ اور اس گھر میں چلی گئیں۔ دیکھتی کیا ہیں کہ پڑوسن دردزہ (بچہ جننے کی تکلیف) میں مبتلا ہے۔ اس کی جان پر بنی ہوئی ہے اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ گھر والے حیران و پریشان ہیں کہ کیا کریں اور کس کو بلائیں۔ مگر سیدہ فاطمہؓ نے انہیں تسلی دی۔ اور ہمت اور جذبۂ خدمت خلق سے کام لے دایہ کے فرائض سرانجام دینا شروع کر دیئے۔ ان کے حسن تدبیر سے تھوڑی دیر میں بچہ صحیح سلامت پیدا ہو گیا۔ آپ زچہ کی خدمت سے فارغ ہو کر گھر لوٹیں۔ اور اس قدر خوشی حاصل ہوئی گویا آپ کو دونوں جہانوں کے خزانے مل گئے ہوں۔

اور صحیح نیکی کی علامت بھی یہی ہے کہ اسے سرانجام دے سکوں اور خوشی حاصل ہو۔

کیا ہم میں کوئی ایسی خاتون ہے جو محض انسانی فریضہ سمجھ کر دوسروں کی خدمت بجا لائے؟

---

(۱) بخاری المظالم: باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ ح مسلم البر والصلۃ: باب تحریم الظلم ح ۲۵۸۰

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ خدمت گذاری اور دوسروں کی امداد واعانت بھی خدمت خلق کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اور یہ اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ ہماری مستورات چاہے وہ امیر ہوں یا غریب' مقدور بھر اپنے بھائی بہنوں کی مدد کریں۔ ان کی ہر ممکن خدمت کریں۔ اور ان کی خدمت کو اپنی شان سے فروتر نہ سمجھیں۔ ان کے کام کرنے میں شرم محسوس نہ کریں۔ اور جناب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو ہمہ وقت سامنے رکھیں۔ خصوصاً ہماری بہنوں' بیٹیوں کی سیّدہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی پاک سیرت کے اس پہلو کو پیش نظر رکھ کر غریب اور بے یار و مدد گار گھرانوں کی امداد واعانت اور خیر خواہی کرنی چاہیے۔ دوسروں کی خدمت کرنا ہی دراصل شرف آدمیت اور معراج انسانیت ہے۔

ناداری اور قناعت

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نسبت آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ آپ غریب اور تنگ دست گھرانے کے فرد تھے۔ محنت مزدوری کرتے تھے۔ آپ دولت منداور صاحب مال وزر نہ تھے اکثر ایام فاقہ میں بسر کرتے تھے۔ کسی کی مشقت کر کے چار پیسے لاتے، تو ایک دو روز چولہا گرم ہو جاتا۔ ورنہ اللہ نگہبان۔ کبھی گھاس لا کر بیچتے۔ کبھی مزدور کی حیثیت سے کسی کھیت میں نلائی کرتے۔ ایک دفعہ رات بھر کسی کا باغ سینچتے رہے تو صبح مزدوری میں جو ملے۔ وہ اتنے کم تھے کہ میاں بیوی ان سے پیٹ بھی نہ بھر سکے۔

اسی طرح ایک بار بھوک نے بہت ستایا اور گھر سے باہر تشریف لے گئے اور تلاش معاش میں پھرنے لگے۔ معلوم ہوا ایک عورت اپنے باغ کو پانی دلانا چاہتی ہے۔ اس کے پاس پہنچے۔ اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔ اس میں آپ کو بڑی تکلیف ہوئی۔ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اس مشقت کا صلہ آپ کو کیا ملا؟ مٹھی بھر کھجوریں![1] صبر شکر کر کے گھر لے آئے، کچھ آپ کھائیں کچھ سیّدہ کو کھلائیں، اوپر سے چار گھونٹ پانی کے پئیے۔ اور **اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِی اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** کہہ کر رازق حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ کبھی کوئی لڑائی چھڑی تو مال غنیمت سے انہیں بھی کچھ حصہ مل گیا اور چار دن

(۱) مسند احمد ج ا ص ۱۳۵

آسودگی سے گزر گئے۔ اس کے بعد پھر چولہے میں پانی اور پیٹ پر پتھر۔

سوچیئے! جب شوہر کا یہ حال تھا تو بیوی کس خزانے کی مالک تھی جو اشرفیوں اور پاؤنڈوں میں کھیلتی اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی؟ وہ بیچاری بھی تو فاقے ہی کھینچتی تھی، بھوکی اور پیاسی ہی رہتی تھی۔ اس پر مصیبت یہ کہ دن بھر سارا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ شکم خالی ہے، طبیعت بے حال ہو رہی تھی۔ آنتیں قُلْ هُوَاللّٰهُ پڑھ رہی ہیں۔ مگر اللہ رے صبر و تحمل! اور واہ رے قوت برداشت! کیا مجال جو منہ سے ٹھنڈی آہ بھی نکل جائے۔ اور لبوں پر شکوہ و شکایات آئے، آخر گلے شکوے ہوتے بھی کس سے؟ باپ (ﷺ) سے؟ جسے خود دولت سے نفرت تھی۔ جو اپنی زندگی فاقوں میں بسر کرتا تھا۔ جس کے اپنے ہی گھر میں سارا مہینہ آگ نہ جلتی اور روٹی نہ پکتی تھی۔ جس کی اپنی بیویاں خالی پیٹ رہتی تھیں۔ جو اتنا اثاثہ بھی نہ رکھتا تھا کہ چار دن کے لیے سامان خوراک ہی جمع کر سکے۔ وہ اپنی بیٹی اور اپنے داماد کو کیا مدد دیتا؟ انہیں کیا کھلاتا اور کیا پہناتا؟ اس کا تو یہی بس تھا کہ کوئی چیز زیادہ مقدار میں کہیں سے آ گئی تو بحصہ رسدی بیٹی کو بھی بھجوا دی۔ اور پھر بیٹی بھی وہی! جسے خود اس نے تعلیم دی تھی:

''کہ بھوکی اور ننگی رہنا قبول کر لینا۔ مگر خبردار! دولت دنیا کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔ اور جہان فانی کی ہر شے کو حقیر جاننا۔''

یہ اسی تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ فاطمہؓ ایسی محبوب بیٹی اگر والد معظم (ﷺ) سے تنگدستی کا کبھی شکوہ بھی کرتی تو کوئی شنوائی نہ ہوتی۔ اور امداد و اعانت کی بجائے الٹا رب کا خوف اور تقویٰ ہی یاد دلایا جاتا۔ اور صبر شکر ہی کی تلقین فرمائی جاتی۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے ناداری کا شکوہ کیا۔ آنحضور ﷺ اس وقت مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا: ''فاطمہ! میرے قریب آ'' جب وہ قریب آ گئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا:

''اگر تو دولت دنیا چاہتی ہے تو میں تجھے اللہ تعالیٰ سے مانگ دیتا ہوں۔ مگر سن لے کہ تو اللہ سے غافل ہو جائے گی اور عاقبت سے محروم! اب جو کچھ لینا چاہتی ہے اور جتنا لینا چاہتی ہے لے لے۔ تجھے کوئی رکاوٹ نہیں۔ مگر یاد رکھ آخرت میں تجھے کچھ نہ ملے گا۔

فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا سجدہ میں گر پڑیں۔ اور توبہ استغفار کرنے لگیں۔

ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ خادم آئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جاؤ اور ایک خادمہ طلب کرو۔ تم بھی کام کاج کرتی تنگ آ گئی ہو۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دربار نبوی میں حاضر ہوئیں مگر شرم کے مارے کچھ عرض نہ کر سکیں۔ دوسرے دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے گھر تشریف لے گئے۔ پوچھا: ''بیٹی! کل کیوں آئی تھی اور کیا کام تھا؟'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ بولے:

''حضور! چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ اور پانی اٹھا اٹھا کر گردن پر نشان ابھر آئے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ خادم دیکھے تھے۔ اور میں نے ہی ان سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جا کر خادم/ خادمہ مانگ لیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدمت گار دینے کی بجائے فرمایا:

''اِتَّقِی اللّٰهَ یَا فَاطِمَةُ وَاَدِّی فَرِیْضَةَ رَبِّکِ وَ اعْمَلِی عَمَلَ اَهْلِکَ وَاِذَا اَخَذْتِ مَضْجَعَکِ فَسَبِّحِی ثَلَاثًا وَّ ثَلاثِیْنَ وَ احْمِدِی ثَلَاثًا وَّ ثَلاثِیْنَ وَ کَبِّرِی اَرْبَعًا وَ ثَلاثِیْنَ فَذٰلِکَ مِائَةٌ وَهِیَ خَیْرٌ لَکِ مِنْ خَادِمٍ'' ''اے فاطمہ! اللہ سے ڈر اور پرہیزگار بن! اپنے رب کے فرائض ادا کر۔ اور اپنے کنبہ کے اعمال کو اپنا دستور بنا۔ اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹے تو سبحان

اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کر۔ کیونکہ یہ وہ عمل ہے جو تیرے لیے خادم سے بدر جہا بہتر ہے۔"(۱)

اسی طرح ایک مرتبہ کچھ غلام حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں لائے گئے۔ اس دفعہ بھی جناب علی رضی اللہ عنہ ہی نے سیدہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ کام کاج کے لیے ایک غلام یا لونڈی مانگ لیں۔ سیدہ محترمہ حاضر ہوئیں اور ابا جان سے اپنی ضروریات بیان کیں۔ سرور کائنات ﷺ نے سن کر فرمایا:

"فاطمہؓ! کیا کہوں۔ میں تو ابھی اصحاب صفہ کے حقوق ہی ادا نہیں کر سکا۔ اور ان کی خدمت سے ابھی فارغ نہیں ہوا۔ (اس کے علاوہ بہت سے یتیم اور مسکین بھی میرا منہ دیکھ رہے ہیں۔) تجھے غلام کہاں سے دوں؟ جاؤ اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول رہو اور دنیا سے دل نہ لگاؤ دنیا کی ہر چیز سے نفرت کرو۔"(۲)

ناداری و مفلسی کا یہ حال تھا کہ اکثر اوقات سیدہؓ کے جسم پر لباس بھی پورا نہ ہوتا تھا۔ آپؓ ایک دفعہ بیمار ہو گئیں۔ شاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند صحابہؓ کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر سلام کہا اور اندر جانے کی اجازت طلب کی۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے خوش آمدید کہا۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ "میرے ساتھ کچھ آدمی ہیں۔ کیا وہ بھی آ جائیں؟"

انہوں نے جواب دیا: "یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت میرے پاس چھوٹی سی عبا ہے، جس سے ستر پوشی اور پردہ نہیں کیا جا سکتا۔"

حضور رسول مقبول ﷺ نے اپنی چادر دیوار پر پھینک دی، فرمایا: "اس سے پردہ کر لو۔"

---

(۱) ابوداؤد والخیار والعارۃ، باب فی بیان مواضعہ قسم الخمس وسھم ذی القربی ح ۲۹۸۸ ح ۲۹۸۸

(۲) مسند احمد ج ا ص ۱۰۶۔

پھر حضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سمیت اندر تشریف لے آئے۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''بیماری کی تکلیف کے علاوہ آزمائش یہ ہے کہ گھر میں کھانے کو کچھ بھی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:''

''کہ تم اس بات پر خوش اور مطمئن نہیں (جو میں آپ اور دیگر آنے والے بھائیوں کی خدمت کر سکوں) کہ تم سیدۃ نساء العالمین ہو''؟

مطلب یہ ہے کہ جب بھی بتول محترمؓ اپنی تنگدستی کی شکایت زبان پر لاتیں حضور ﷺ ان کو پرہیز گار بننے' تقویٰ اختیار کرنے ذکر وعبادت میں مشغول رہنے اور سامان آخرت جمع کرنے کی تلقین فرماتے۔ دینوی عیش وعشرت اور لذت وفرحت سے نفرت دلاتے۔ اوران کی فضیلت کہ تم سَیِّدَۃُ نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ اور سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ ہو' بیان فرماتے'' کہ راضی برضا رہنے' صبر وشکر کرنے' دنیاوی لذات سے منہ موڑنے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگانے ہی سے یہ مراتب ومناصب تمہیں ملے ہیں۔ اگر بے صبر وناشکر گزار ہوگی تو یہ رتبے چھن جائیں گے۔ اور اللہ کریم ناراض ہو جائے گا۔''(۱)

(۱) الاصابہ ۲۸۳/۴ بحوالہ الاستیعاب لابن عبدالبر حلیۃ الاولیاء ۴۲/۲

ایک نکتہ!

عام لوگ کہا کرتے ہیں کہ ''نبیوں اور ولیوں کی قسمت میں تو سوکھی روٹی بھی نہ لکھی تھی۔ اور ان کے نصیب میں جو بھی نہیں تھے'' لیکن یہ بات غلط اور قطعی غلط ہے۔ ان کے پاس سب کچھ تھا۔ اور سب کچھ ہو سکتا تھا۔ وہ دنیا جہاں کے خزانوں کے مالک بن سکتے تھے۔ وہ بے انتہا دولت جمع کر سکتے تھے۔ سونے اور چاندی کے محل بنا سکتے تھے۔

لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ نے انہیں اس لیے مامور نہیں فرمایا تھا کہ وہ زر پرست ہو جایں۔ اور طالب مال و جاہ بنیں۔ وہ اس لیے تشریف نہیں لائے تھے کہ سیم و زر جمع کر کے قارون کی صفات پیدا کریں۔ وہ تو اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے اور اللہ کی توحید کا جھنڈا گاڑنے آئے تھے۔ انہیں برائیوں اور گناہوں سے روکنے آئے تھے۔ انہیں نیکی پر مائل کرنے اور ان کی عاقبت سنوارنے آئے تھے۔ جب ان کی راہ ہی دوسری تھی تو پھر دنیوی مال و دولت کی انہیں کیا ضرورت اور کیا طلب تھی؟

رسول اللہ ﷺ کے پاس بعض اوقات دولت کے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ کھانے اور پہننے اور دوسری کئی قسم کی اشیاء کے انبار جمع ہو جاتے تھے۔ لیکن حضور ﷺ تو اس دولت کو اور ان چیزوں کو ہاتھ بھی نہ لگاتے تھے۔ اور فوراً تقسیم فرما دیتے تھے۔ حضورؐ کے کاشانہ مبارک میں بھی کئی قسم کے قیمتی تحفے تحائف آتے رہتے تھے۔ جنہیں آنحضرت ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن خیرات کر دیتی تھیں۔ یہی

وجہ تھی کہ اگر ایک دن آپ کے گھر میں کھانا پکا ہے تو مہینہ بھر چولہا ٹھنڈا رہا ہے اور روٹی کی شکل تک نہیں دیکھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے تربیت یافتہ تھے لہٰذا ان کا دست کرم بھی ہمیشہ وسیع رہتا۔ کہیں سے کچھ ملتا تو فوراً صدقہ کر دیا جاتا اور اپنے سے زیادہ محتاجوں کا خیال رکھا جاتا۔ ان کے نادار و تنگدست رہنے کا عام سبب یہی تھا۔ ورنہ اگر یہ حضرات چاہتے تو سونے کی کوٹھیاں اور چاندی کے بنگلے بنوا سکتے تھے۔ مگر ''اَلدُّنْیَا جِیْفَةٌ وَ طَالِبُهَا کِلَابٌ''(۱) (دنیا مردار اور اس کو چاہنے والے کتے ہیں) کہنے والے کے جگر گوشے اور شاگردان رشید یہ کیونکر گوارا کر سکتے تھے کہ دین کو چھوڑ کر دنیا سے دل لگائیں؟ اور رحمٰن کی جگہ طاغوت کی ہو پوجا کریں اور دنیائے دنی سے دل لگائیں۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے دولت کمانے اور دولت جمع کرنے سے روکا ہے، نہیں، وہ تو کہتا ہے نیک طریقے سے کماؤ اور نیک کاموں پر خرچ کرو۔ صحابہ کرامؓ میں ایسے بزرگ بھی گذرے ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں کے مالک تھے۔ مگر جب دین کی ضرورت پڑتی تو اللہ کی راہ اور رضا میں سب کچھ لٹا دیتے تا آنکہ جان تک دینے میں دریغ نہ کرتے۔

بہرکیف، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ناداری و تنگدستی ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ مالی پریشانیوں اور تنگی تکلیف کے وقت انسان کو گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ خندہ پیشانی سے مصائب کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اور ہر حال میں رازق حقیقی کی حمد و ثناء عبادات و ریاضت میں مصروف رہنا چاہیے۔ جو لوگ مفلسی اور غریبی، بھوک اور برہنگی سے گھبرا کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے اور غیروں کے سامنے دست سوال دراز کرتے

(۱) کشف الخفاء للعجلونی ج۱ ص۴۹۳، الدرر المُنتَثِرَة فی الاحادیث المشتہرۃ ج۸۵

ہیں وہ اپنا وقار کھو دیتے ہیں۔ دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ناراض ہوتا ہے۔ ان کا نام نیکوں کی فہرست سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ تنگی اور تکلیف' یہ بھوک اور برہنگی' یہ مفلسی اور ناداری بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندۂ مومن کا ایک امتحان ہوتا ہے جو نیک بخت لوگ اس آزمائش میں پورے اترتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے اجر پاتے ہیں۔ اور جو پورے نہیں اترتے وہ گناہگاروں میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تکلیف میں گھبرانے کا حکم نہیں دعا کرنے اور نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے اور یہ قرآنی دعا کرنے کا حکم ہے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.[1]

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۲۰۱

سادگی

کہتے ہیں انسان کی فطرت' ذہنیت اور جبلت کا بدلنا دشوار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی خصلت اور عادت بھی مشکل ہی سے تبدیل ہوتی ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا عجیب اور انوکھا دین ہے جس نے ثابت کر دیا کہ رب ذوالجلال کا دین نہ صرف انسان کی خوبو کو' نہ صرف اس کے عادات و خصائل کو اور نہ صرف اس کے مزاجوں اور طبیعتوں کو ہی بدل دیتا ہے' بلکہ اس کی فطرتوں اور ذہنیتوں کو بھی تبدیل کر دیتا ہے۔ تاریخ شاہد اور حالات گواہ ہیں کہ اس مقدس دین نے انسانوں کی جبلت' فطرت اور ذہنیت میں وہ انقلاب عظیم پیدا کیا کہ دنیا نے انگشت حیرت منہ میں چبالی۔

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اس ماں (یعنی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) کی چہیتی بیٹی ہیں جو اتنی بلند اقبال اور صاحب مال و منال تھیں کہ ان کے خیموں کی طنابیں سونے کی میخوں سے باندھی جاتی تھیں۔ عرب کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی۔ بڑے کر و فر سے رہتی تھیں۔ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ تھا۔ اور امارت کے تمام تکلفات ان میں موجود تھے۔ لیکن...... جب یہی مالدار خاتون ایک فقیر منش اور سادہ مزاج شخصیت کے نکاح میں آئیں تو سارے تکلفات جاتے رہے۔ دیبا و اطلس کی جگہ بوریا بچھ گیا۔ سنجاب و سمور کا مقام ٹاٹ نے حاصل کیا اور قالینوں نے چٹائیوں کے لیے جگہ خالی کر دی۔ مقصد یہ کہ کل تکلفات جاتے رہے اور سادگی آ گئی۔

غور کیجیے! ''ماں'' (رضی اللہ عنہا) کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے رب کی خوشنودی

کے لیے سب کچھ تیاگ دیا تھا۔ تو "بیٹی" (رضی اللہ عنہا) میں کیوں سادگی اور بے تکلفی پیدا نہ ہوتی۔ وہ دنیا اور دنیا کے جملہ تکلفات کو کیوں تج نہ دیتیں؟

پھر "باپ" (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تو وہی تھا۔ جو فقیری اور درویشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ جو خود سادگی پسند تھا اور دوسروں کو سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا تھا۔

یہ اسی اللہ جل شانہ کے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ اس کی پیاری بیٹی نے انتہائی سادگی اختیار کر لی۔ تکلف اور تصنع کا کبھی خیال تک نہ آیا۔ بیٹی ہی پر کیا موقوف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے دولت منداور مالدار صحابہؓ نے بھی سادگی میں وہ کمال دکھایا کہ باید و شاید۔

وہ فقیری میں بادشاہی کرتے تھے۔

پھٹی ہوئی چٹائیوں پر بیٹھ کر حکمرانی کرتے تھے۔

ان سوکھے ٹکڑے چبانے والوں سے مغرور و سرکش سلاطین خوف کھاتے اور کانپتے تھے۔ محض اس لیے کہ ان کے دل میں زہد اور شان استغناء کی وجہ سے روحانیت جلوہ گر تھی۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت رچ بس گئی تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لباس اتنا معمولی اور ہلکی قسم کا ہوتا کہ آج کل کے حساب سے اس کی قیمت چند روپوں سے زیادہ نہ تھی۔ اور کوئی غریب سے غریب عورت بھی ایسی پوشاک پہننا پسند نہ کرتی تھی البتہ صاف ستھرا ہوتا تھا۔ غذا اتنی سادہ کہ کوئی بھک منگی بھی اسے کھا نہ سکے۔ جو کی روٹی، وہ بھی روکھی سوکھی۔ نہ سالن کی احتیاج نہ گھی کی ضرورت۔ لطف یہ کہ ایسی غذا بھی روزانہ میسر نہ تھی۔ کئی کئی دن فاقوں میں گذر جاتے۔ کبھی چند کھجوریں یا چھوہارے کھا کر ہی گزارہ کر لیا جاتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک کف دست (ہتھیلی بھر) ستو پھانک کر اوپر سے پانی کے چار گھونٹ پی لیے جاتے۔

کہا جاتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چونکہ نادار و تنگدست تھیں اس لیے انہیں اچھی خوراک اور اچھی پوشاک کبھی میسر ہی نہ آئی۔ اگر تو نگر ہوتیں اور اپنے پاس مال و دولت رکھتیں تو ضرور اچھا کھاتیں اور اچھا پہنتیں، مگر یہ خیال درست نہیں ہے۔ کئی دفعہ کھانے پینے کی پرتکلف چیزیں اور پہننے کی عمدہ پوشاکیں بھی ملیں۔ مگر وہ سب خیرات کردیں۔

ایک بار مال غنیمت میں ریشمی چادر اور ریشمی پوشاک ملی۔ لیکن دختر رسولؐ نے وہ صدقہ کردی اور خود پھٹے پرانے کپڑوں میں ہی گزارہ کیا۔ بعض وقت پنیر اور میدہ بھی آیا مگر اسے بھی اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اور خود جو کی روٹی، خشک کھجور یا مٹھی بھر ستو سے وقت نکال لیا۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین سیر جو کہیں سے لائے۔ بی بی فاطمہؓ نے ایک سیر جو کو پیسا اور پکایا۔ جب روٹی تیار ہو چکی تو ایک مسکین نے صدا کردی۔ فاطمہؓ نے سب روٹیاں اس کو دے دیں۔ پھر دوسرا سیر پیسا اور پکایا۔ اب کسی یتیم نے آواز دی اور وہ روٹیاں اس کو عطا کردیں۔ بعد ازاں تیسرے سیر کو پیسا اور روٹیاں پکائیں۔ اس دفعہ ایک قیدی آ گیا اور روٹی مانگنے لگا۔ سیدہؓ نے یہ روٹیاں بھی اس کی نذر کردیں، اور آیت کریمہ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ○[1] (یعنی وہ اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں) کی عملی تفسیر پیش کردی۔ بلکہ بعض مفسروں نے لکھا ہے۔ کہ یہ آیت نازل ہی اس موقع پر ہوئی تھی۔[2]

ان حالات سے معلوم ہوا کہ اگر انہیں کچھ ملتا بھی تھا تو پھر بھی وہ سادگی و

(۱) سورۃ الدھر آیات: ۸

(۲) الدر المنثور ج ۸ ص ۳۷۱۔ تفسیر الکبیر ج ۱۰ ص ۷۴۶

بے تکلفی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ بھلا علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما تو مفلس تھے' غریب اور تنگدست تھے' اس لیے سادہ تھے۔ لیکن اس زمانہ میں جو لوگ دولت مند اور تونگر تھے' لاکھوں میں کھیلتے تھے' جب وہ اسلام میں داخل ہوئے' تو وہ بھی غریبوں اور فقیروں ہی کی طرح رہنے لگے۔ خوراک اور پوشاک اتنی سادہ بنالی کہ انہیں کوئی اجنبی دیکھتا تو گدائے بے نوا ہی سمجھتا۔ عالی مرتبت خلفائے راشدین (ابوبکر' عمر' عثمان' علی رضی اللہ عنہم) سطوت کبریٰ کے مالک ہونے کے باوجود انتہائی سادہ مزاج تھے۔ اور غریبوں ہی جیسا کھاتے اور پہنتے تھے۔ ان کے مفصل حالات بڑی کتب میں پڑھے جاسکتے ہیں۔ یہ سب تعلیمات نبوی کا اثر تھا کہ انہوں نے شاہانہ ٹھاٹ بھاٹھ چھوڑ کر سادگی اپنالی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی بیٹی اور اپنے داماد کی نگرانی فرماتے تھے۔ اگر انہیں ذرا بنا سنورا دیکھتے تو ناراض ہوتے۔ ان کے گھر میں کوئی نمائش کی چیز نظر آتی' تو جب تک وہ چیز دور نہ کر دی جاتی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں جانا موقوف کر دیتے۔ آپ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے مراجعت فرما ہوئے تو حسب دستور فاطمہ بتول کے گھر گئے۔ لیکن دروازے پر پہنچ کر فوراً ہی لوٹ آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس سے بہت رنج ہوا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واپس تشریف لے جانے کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ آپ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غمگین دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا ابا جان! (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے تھے مگر گھر میں قدم رکھے بغیر ہی واپس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ جائیے' اور اس کی وجہ معلوم کیجیے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واپس آنے کا سبب پوچھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے ابوتراب! مجھے دنیوی نقش و نگار سے کیا تعلق؟ تمہارے دروازہ پر منقش پردہ لٹک رہا تھا۔ میرے دل نے گوارا نہ کیا۔ کہ ایسے مزین گھر میں داخل ہوں جو دختر رسول کے شایان شان نہ ہو۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا' کہ نبی کریم ﷺ خود اپنی اولاد' اپنے اقربا' اپنے عزیزوں اور اپنے صحابیوں کو سادگی کی تعلیم دیتے اور دنیا اس کی زیب و زینت اور اس کی محبت سے نفرت دلاتے تھے۔ حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو تو شرعی لحاظ سے ایک حد تک پردے وغیرہ لٹکانے اور جائز حد تک گھر کی آرائش کرنے کی اباحت ہے۔

اس واقعہ سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیے جو آرائش و زیبائش کے لیے بلا ضرورت ہزاروں روپے خرچ کر دیتے ہیں اور فضول خرچی کے مرتکب ہو کر اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ساری عمر کسی زیور کے بنوانے اور پہننے کی خواہش نہیں کی۔ ایک مرتبہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات قدرے بہتر ہو گئے تو سوئے اتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار بنوا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کے گلے میں ہار دیکھا۔ تو کچھ نگاہ التفات نہ فرمائی۔ حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں فوراً اسے اتارا اور فروخت کر کے وہ رقم محتاجوں میں تقسیم کر دی۔ اور آئندہ زندگی بھر کسی قسم کا ہار نہ پہنا۔(۲)

کاش! ہماری مسلمان بہنیں جو تنگدستی میں اپنے شوہروں کو زیور بنوانے پر مجبور کرتی ہیں۔ اور اپنی حالت پر غور نہیں کرتیں وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے طریق و عمل کو

(۱) ابوداؤد' الترجل: باب فی اتخاذ الستور ح ۴۱۴۹۔

(۲) نسائی' الزینۃ باب کراہیۃ للنساء فی اظہار الحلی والذھب ح ۵۱۴۳

سامنے رکھیں۔ اور ان کی راہ پر چلیں۔ کیونکہ جو لطف اور آرام سادگی میں ہے وہ تکلف میں نہیں۔

اسی طرح ایک بار سیدہ عالم رضی اللہ عنہا نے محبت میں آ کر حضرت حسنؓ اور حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ جناب سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو سخت ناراض ہوئے۔ اور اس وقت تک ان کے گھر جانا چھوڑ دیا جب تک دونوں صاحبزادوں کے کنگن اتار نہ دیئے گئے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت اس قسم کی دنیاوی زیب وزینت میں مبتلا ہوں۔''(۱)

یہ کنگن بھی مسکینوں اور حاجت مندوں میں بانٹ دیئے گئے۔ الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروں میں یا اپنی آل اولاد کے گھروں میں کوئی ایسی پرتکلف چیز دیکھتے تو ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ اور جب تک وہ چیز گھر سے نکال نہ دی جاتی چین نہ پاتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بھی یہی حالت تھی کہ گھر میں کوئی ایسی چیز ہوتی تو سخت بے قرار ہوتے۔ اور جب وہ چیز خیرات کر دی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین حاصل ہوتی۔مطلب یہ کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ عزوجل اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بات اور ہر معاملہ میں سادگی و بے تکلفی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ دنیا اور اس کی زیب وزینت اور اس کی چمکدار اور جاذب نظر چیزوں سے محبت لگا کر اسی کے نہ ہو جائیں۔ اور دنیوی عشق و محبت کہیں انہیں یاد الٰہی سے غافل نہ کر دے۔ اسی لیے تو مردوں کو سونا اور ریشم پہننے کی ممانعت ہے۔ کیونکہ

(۱) ابوداؤد ذالرجل باب ماجاء فی الانتقاء بالعاج ج ۴۲۱۳

اس سے دل میں کبر و غرور پیدا ہوتا ہے۔ جو انسان کا خاصہ نہیں بلکہ شیطان کی خصلت ہے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بہ زندان لعنت گرفتار کرد

اہل اسلام عورتوں اور مردوں کو چاہیے کہ وہ حضور ﷺ کی تعلیمات کو سامنے رکھیں۔ آپ ﷺ کے فرمودات پر چلیں۔ آپ کے قدم پر قدم رکھیں۔ آپ ﷺ کے اہل بیت آل اولاد کے طریق و عمل کو اختیار کریں۔ آپ ﷺ سے صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کے حالات پڑھیں۔ اور پکے اور سچے مسلمان بن کر رب ذوالجلال اور اس کے برحق نبی ﷺ کی خوشنودی کا باعث بنیں۔

تکلف ہی وہ بری عادت ہے جس سے انسان گوناگوں مصائب و مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے۔ فضول خرچ بنتا ہے۔ مغرور و سرکش ہو جاتا ہے۔ آمدنی سے زیادہ خرچ کرتا ہے۔ آرام طلب اور تن آسان بن جاتا ہے۔ مقروض اور تنگ حال ہو کر پریشان اور چڑچڑا بن جاتا ہے۔ اور انجام کار کاہل اور نکما بن جاتا ہے۔ مگر اس کے برعکس جو شخص بے تکلف اور سادہ ہے۔ ہلکی غذا کھاتا' موٹا جھوٹا پہنتا' اور آرائش و زیبائش سے دور رہتا ہے انجام کار وہ بہت آرام پاتا ہے۔ اس کی زندگی راحت اور سکون سے گزرتی ہے۔ وہ ایسی زندگی بسر کرتا ہے جس سے رب ذوالجلال و رسول مقبول ﷺ کو خوش رکھتا ہے۔ جس کی بنا پر اسے کبھی کمی نہیں آتی۔ وہ عموماً خوش بخوش اور شاد کام رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل ہماری بہنوں' بھائیوں کو سیدھا راستہ دکھائے اور خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین۔

❀❀❀

(۱) بخاری: الاشربہ: باب آنیۃ الفضۃ ج ... مسلم اللباس والزینۃ: باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ ... ح ۲۰۶۶

زہد و عبادت

معبود حقیقی کی عبادت اسلام کی روح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو محض اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کی زندگی کا دارومدار اسی بندگی پر رکھا ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں سینکڑوں بار اس حکم کا اعادہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو۔ نمازیں پڑھو۔ اور اسی کو مقصد حیات بناؤ۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا یہ حال تھا کہ جب نماز ذکر و اذکار اور میں مشغول ہوتے، تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ یہاں تک کہ اپنے تن من کا بھی ہوش نہ رہتا اور اپنے بیگانے تمام علائق سے تعلق چھوٹ جاتا، اصطلاح دین میں اسی کو خشوع و خضوع کہا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ نماز کو اتنا لمبا کرتے کہ کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے، پنڈلیاں متورم ہو جاتیں۔[1] مگر وہاں تو ذات حق سے یارانہ تھا، اسی سے لو لگی تھی، اسی کا عشق روئیں روئیں اور رگ رگ میں جلوہ فرما تھا۔ تن بدن کی شدھ بدھ کیسے رہتی، اور تھکاوٹ کیوں ہوتی؟

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اصحاب رضی اللہ عنہم کو بھی اسی قسم کی عبادت

(۱) صحیح بخاری ج: ۱۱۳۰

سکھائی تھی' اور یہ آنحضرت ﷺ ہی کی تعلیم تھی کہ حضور رسول مقبول ﷺ کے اقرباء بھی ایسی عبادت میں محو و منہمک ہو گئے' جو بندہ و مولا کے درمیان سے دوئی کا پردہ اٹھا دیتی ہے۔ اور اس خاک کے پتلے کو مالک حقیقی سے جاملاتی ہے۔ اس کا ایک ادنیٰ سا نمونہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کسی جہاد میں زخمی ہو گئے۔ دشمن کا تیر جو' پاؤں کی ایڑی میں لگا۔ تو اس کی انی وہیں ٹوٹ کر رہ گئی۔ پاؤں سوج کر فیل کے مشابہ ہو گیا۔ ذرا کوئی ہاتھ بھی لگا تا تو شیر خدا کو غش آ جاتا' آخر جراح کو بلایا گیا کہ کسی طرح چیر پھاڑ کر تیر کی نوک نکالے' اور علی رضی اللہ عنہ اس مصیبت سے نجات پائیں۔ جس وقت جراح کی شکل انہوں نے دیکھی بے ہوش ہو گئے پسینہ چھوٹ گیا اور لگے غش کے دورے پڑنے۔ آپ کے ایک راز دار کو اطلاع ہوئی کہ علی کرم اللہ وجہہ کی یہ حالت ہے اور جراح کے تصور ہی سے دل ڈوب رہا ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کیوں علیؓ کو تکلیف دیتے ہو؟ ان کا تو علاج ہی آسان ہے۔ جب وہ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ میں جائیں تو جراح زنبور سے تیر کی نوک کھینچ لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سجدہ میں گئے تو زنبور سے نوک کھینچ لی گئی اور انہیں کچھ معلوم نہ ہوا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو مصلّٰی کو خون میں لت پت پایا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے مبارک دی کہ تیر کی نوک نکال لی گئی۔ شیر خدا نے فرمایا مجھے تو خبر بھی نہیں ہوئی۔ کہ آپ لوگوں نے کیا کیا ہے۔

یہ تھیں وہ نمازیں اور وہ عبادتیں جو انسان کو دربارِ الٰہی سے مراتب و مناصب دلاتیں اور اس کے نام کو سر بلند و سرفراز کرتیں۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی عبادت مبارک تھی کہ جب رات کو نماز کے لیے اٹھتے تو سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو جگاتے بیٹی کے گھر جاتے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا و علی رضی اللہ عنہ کو اٹھاتے انہیں نماز کے لیے تیار کرتے۔ جس طرح چوکیدار پہرہ دیتے ہیں کہ ''جاگتے رہو۔ جاگتے رہو'' اسی طرح حضور ﷺ بھی بآواز بلند کہتے

''الصَّلوٰۃُ. اَلصَّلوٰۃُ. اور آیۂ تطہیر تلاوت فرماتے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝ (۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ کے گھر والو! اس کی بیوی' بیٹیو' بھائیو' اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی و آلودگی دور کر دے اور تمہیں ہر گناہ سے پاک صاف کر دے۔ (۲)

حضور ﷺ یہ آیت اس لیے پڑھتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا اللہ کے ذکر و عبادت سے غافل نہ ہو جائیں کہیں شیطان کے ہتے چڑھ کر دن چڑھے تک سوتے ہی نہ رہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جو تطہیر فرمائی ہے وہ متأثر نہ ہو جائے۔ علی رضی اللہ عنہما و فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی آواز سنتے تو فوراً اٹھ بیٹھتے اور نماز کی تیاری کرتے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ رات کے وقت فاطمۃ الزّہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور میاں بیوی (علیؓ اور فاطمہؓ) سے پوچھا۔ کیا تم تہجد نہیں پڑھا کرتے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت عالم شباب میں تھے۔ کہنے لگے۔ جناب! ہماری جانیں تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ اٹھانا چاہے گا' اٹھا دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جواب سے سخت ناراض ہوئے اور یہ آیت پڑھتے اور ران پر ہاتھ مارتے ہوئے لوٹ آئے۔ کہ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ (۳) انسان بہت سی باتوں میں جھگڑالو واقع ہوا ہے۔ یعنی جب اسے کوئی نیک کام بتایا جاتا ہے یا کوئی اچھی نصیحت کی جاتی ہے تو اس میں کئی قسم کے رخنے نکالتا اور پھسپھسی دلیلیں دیتا ہے۔ (۴) مطلب یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں نیکی اور بدی کو پہچاننے اور گناہ و ثواب میں تمیز کرنے کا اختیار دیا ہے عقل دی ہے شعور بخشا ہے' تو پھر یہ کہنا کہ وہ

(۱) سورۃ احزاب: ۳۳
(۲) سنن ترمذی
(۳) سورۃ کہف: ۵۴۔

جگائے گا تو نماز پڑھ لیں گے نہ جگائے گا تو نہ پڑھیں گے، کیسی غیر معقول بات ہے۔ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ اگر ہمیشہ جاگ نہ آئے تو پھر نماز ہی نہ پڑھی جائے۔ اور تارکین صلوٰۃ میں نام لکھوایا جائے۔

حالانکہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ شب زندہ دار اور تہجد گزار تھے۔ مگر ان کی ذرا سی غفلت پر اور پھر ان کے مہمل سے جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور ان کی یہ ادنیٰ سی تغافل کیشی ایک لحہ بھی گوارا نہ کر سکے۔ جو لوگ نماز تہجد کو التزام سے نہیں پڑھتے اور اسے ایک اضافی یا اختیاری نماز سمجھتے ہیں کہ جی چاہا تو پڑھ لی نہ جی چاہا تو نہ پڑھی۔ وہ اس واقعہ سے نصیحت حاصل کریں اور غور فرمائیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے لیے باوجود نفل ہونے کے کس قدر اہتمام فرماتے تھے۔ اور نہ صرف خود اس کے لیے اٹھتے بلکہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جگاتے۔ نماز تہجد پر توجہ دلاتے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا[1] گویا وہی لوگ سب سے اچھے اور سب سے اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتے ہیں، جو تہجد کے نفل پڑھتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن آہ! مسلمان آج کل تو نماز پنجگانہ ہی کے پابند نظر نہیں آتے۔ تہجد کون پڑھتا ہے؟ اور ان نفلوں کے ذریعے کون اللہ سے عزت و عظمت پانے کی کوشش کرتا ہے؟

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج میں اس قدر مصروف رہتی تھیں کہ دم بھر فرصت نہ ملتی تھی مگر اس حالت میں بھی وہ نہ صرف پانچوں وقت نماز ادا کرتیں بلکہ تہجد بھی پڑھتیں۔ ورد وظیفے بھی کرتیں۔ ذکر وفکر میں بھی مشغول رہتیں۔ تلاوت قرآن پاک بھی فرماتیں اور گھر کے سب کام سرانجام دیتیں۔ پھر پر خشوع دعاؤں پر خضوع نوافل سے تو انہیں خاص شغف تھا۔ پہروں بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے یا سجدہ

(۱) بنی اسرائیل: ۷۹

کیے گڑگڑا کر دعائیں مانگتیں۔ نہ صرف اپنے لیے بلکہ امت کے سب مردوں اور سب عورتوں کے لیے! حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ والدہ محترمہ صبح صادق تک مصروف عبادت رہتیں۔ اور لمبی لمبی دعائیں مانگتیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ وہ مومنین اور مومنات کے لیے تو کثرت سے بڑی بڑی طویل دعائیں مانگتی ہیں۔ مگر اپنے لیے کچھ طلب نہ کرتیں۔ ایک روز میں نے پوچھا۔ امی جان! یہ کیا؟ کہ آپ دوسروں کے لیے تو بہت دعائیں کرتی ہیں مگر اپنے لیے کچھ نہیں مانگتیں؟ ارشاد ہوا۔ جان من! پہلے ہمسایوں اور حاجت مندوں کا حق ہے اس کے بعد اپنے لیے طلب کرنا چاہیے۔ اللہ اکبر! کیا شان زہد و تقشف ہے کہ شہنشاہ ارض و سماء کے دربار میں مقام قرب حاصل ہے۔ مگر اپنی ذات کے لیے کچھ طلب نہیں کیا جاتا۔ اور دوسروں ہی کے لیے ہاتھ پھیلائے جاتے ہیں۔ آج تو کسی سے کہا جائے کہ بھائی! ذرا میرے لیے بھی دعا کرنا۔ بہن! ذرا میرے لیے بھی ہاتھ اٹھانا۔ تو جواب ملتا ہے۔ نہ جی۔ ہماری اپنی ہی حاجتیں پوری نہیں ہوتیں، تمہیں کیا کریں؟ اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ وعدہ پر ٹال دیا جاتا ہے کہ اچھا صاحب! یاد رہا تو دعا کریں گے۔ اور وہاں یہ حال کہ بے طلب اور بلا درخواست اہل اسلام کے لیے خود بخود دعائیں کی جا رہی ہیں۔

پھر غور کیجیے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بھی تو اولاد والی ہی تھیں۔ وہ بچوں کو پالتی بھی تھیں ان کو کھلاتی اور بہلاتی بھی تھیں۔ اور اس کے ساتھ نماز و عبادت میں بھی فرق نہ آنے دیتی تھیں۔ بچہ روتا ہے تو گود میں لے کر ہی نماز پڑھ لی ہے۔ بیمار ہے تو نماز پڑھتے وقت مصلّی ہی پر پاس لٹا لیا ہے مگر نماز کا وقت فوت نہیں ہونے دیا۔ اور یوں بھی تو آپ نے جس خالق و مالک سے لو لگا رکھی تھی اس سے بڑھ کر نہ انہیں اولاد پیاری تھی، نہ خاوند محبوب تھا۔ نہ گھر، نہ کام نہ کوئی اور شے۔ پھر استاد بھی تو وہی گرامی منزلت والد تھا جو بچوں کو آغوش مبارک میں لے کر نماز پڑھ لیتا تھا۔ سجدہ کی حالت

میں بچے اس کے کندھوں پر سوار ہو جاتے یا جائے نماز پر سامنے آ بیٹھتے تو وہ انہیں کچھ نہ کہتا۔ اور یہی کرتا کہ قرأت، رکوع یا سجدہ کو ذرا لمبا کر دیتا۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے بھی یہی طریقہ سیکھ رکھا تھا کہ بچوں کو بھی خوش رکھا جاتا اور عبادت الٰہی کا فرض بھی ادا ہوتا رہتا۔

ہمارے یہاں بہانہ سازی سے بہت کام لیا جاتا ہے۔ کام میں لگے ہیں، اور نماز کا وقت ہو گیا ہے، تو پہلے سے ہی پروگرام بنا رکھا ہے کہ قضا ہو جائے گی، تو اکٹھی پڑھ لیں گے۔ اور اسی لیے دیدہ و دانستہ قضا کر دی جاتی ہے۔ ذرا منٹ دو کا آگا پیچھا ہو گیا، تو فوراً کہہ دیا اب تو بوقت تنگ ہو گیا ہے۔ وضوء کرتے اور نیت باندھتے دیر ہو جائے گی۔ اب تو جمع ہی کر لیں گے۔ جمع بھی نہ کر سکے تو رات کو اکٹھی ہی پڑھ لیں گے کوئی پوچھے، بندۂ خدا! جتنا وقت سوچنے اور گمراہ کن خیالوں میں گزرا ہے اتنے وقت میں تو ساری نماز پڑھی جا سکتی تھی۔ مگر کسی نے سچ کہا ہے۔ خوئے بدرا بہانۂ بسیار۔ عادت بری ہو تو بہانے بہت۔

عورتوں کو ترک نماز کی اور بھی زیادہ بد عادت ہوتی ہے۔ اور ان کے بہانے کچھ یوں سننے میں آتے ہیں کہ بچہ رو رہا تھا اس لیے نماز نہیں پڑھی۔ چولھے پر ہنڈیا جلنے لگی تھی اس لیے نماز قضا ہو گئی۔ کپڑے پلید ہو گئے تھے، ننھے نے پیشاب کر دیا تھا، اس لیے نماز نہ پڑھ سکی۔

بھلی مانس! بچہ رونے لگا تھا تو اسے گود میں لے کر پڑھ لیتی۔ اور ہنڈیا تو پک رہی تھی چولھے پر۔ ذرا سا پانی ڈالتی اور اسے پکنے دیتی۔ اور کپڑے ناپاک ہو گئے تھے تو اسی وقت دھوئے جا سکتے تھے۔ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کی اولاد کو پاخانہ پیشاب سے معافی نہیں ملی تھی۔ اس کے کپڑے بھی ناپاک ہو ہی جاتے ہوں گے مگر وہ تھی اللہ کی بندی۔ فوراً دھو دھا کر صاف کر لیتی، کہ اللہ کا فرض سر پر کھڑا نظر آتا تھا۔ لیکن

شیطان کی بندیاں بہانے تراشنے کے سوا اور جانتی ہی کیا ہیں؟ وہ چونکہ (نعوذ باللہ) فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ تمیز والی، زیادہ پرہیز گار اور زیادہ محتاط ہیں، اس لیے ناپاک کپڑوں کو جلدی پاک نہیں کر سکتیں۔

آہ! کون اللہ کی بندی ہے جو آج سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نقش قدم پر چلتی ہے؟ اور ان کی سی عبادت کر کے دربار الٰہی میں مقبول ہوتی ہے۔ اللہ ہی ہے جو ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو سمجھ عطا فرمائے اور انہیں گناہوں سے بچائے۔ بہر حال ہماری بہنوں بیٹیوں کو نماز روزہ ذکر و فکر غرض ہر قسم کی عبادت میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اسوہ و نمونہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آپ کی روش اور پاکیزہ طریقے کو اپنا کر دونوں جہانوں کی سعادتیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔

خیرات وسخاوت

خالق اکبر جل شانہٗ نے اپنے بندوں میں کئی قسم کے اعلیٰ جوہر ودیعت فرما رکھے ہیں کسی میں تقویٰ اور پرہیزگاری بہت زیادہ ہے۔ کوئی زہد وعبادت میں بڑھا ہوا ہے۔ کوئی مجاہدہ وریاضت میں سب سے پیش پیش ہے۔ اور کوئی صدق وصفا میں سب سے آگے نظر آتا ہے۔ اسی طرح جود وسخا بھی ایک بلند پایہ صفت ہے۔ اور بعض لوگ خیرات وصدقات سے ہی سربلندی وسرفرازی پاتے ہیں۔

لیکن اسلام نے ایسی عدیم المثال ہستیاں بھی پیدا کی ہیں جو زاہد وعابد بھی تھیں۔ تقویٰ وطہارت میں سب سے آگے تھیں۔ ریاضت وتورّع میں بھی بے نظیر تھیں صدق وصفا میں بھی بے مثل تھیں۔ اور سخاوت وجودت میں بھی لاجواب تھیں۔ ذرا پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات وبابرکات ہی کو دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جہاں تمام محمود واعلیٰ صفات تفویض فرمائی تھیں وہاں آپ کو بے حد سخی اور فیاض بنا دیا تھا۔ آپ دولت ومال اور زر وجواہر کو بے دریغ اللہ کی راہ میں لٹانے میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتے تھے اور لاکھوں حاتم آپ کی ایک سخاوت پر قربان کیے جا سکتے تھے۔ پھر عام سخی ایسے ہوتے ہیں کہ خود بھی کھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ خود بھی پہنتے ہیں دوسروں کو بھی پہناتے ہیں۔ اپنی ضرورتیں بھی پوری کرتے ہیں اور محتاجوں اور ضرورتمندوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ مگر حضور نبی کریم ﷺ کی سخاوت ان سب سے

نرالی اور سب سے عجیب تھی۔ کبھی سیم وطلاء کے انبار لگے ہیں۔ کبھی زر و جواہر کے فلک بوس ڈھیر دیکھنے والوں کی آنکھیں پھاڑ رہے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی شان استغنا کا عالم یہ ہے کہ ان کو چھوئے بغیر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اپنے لیے ایک رتی بھر چیز نہیں رکھی جاتی۔ اور اسی لیے فقر و فاقہ میں کٹتی تھی۔

حضور ﷺ کی دختر نیک اختر میں بھی جو اپنے والد معظم ﷺ کا عکس و آئینہ تھی، یہ تمام عادات وصفات موجود تھیں۔ وہ زاہدہ و عابدہ بھی تھیں۔ طاہرہ و متقیہ بھی تھیں۔ زکیہ و راضیہ بھی تھیں، صدیقہ وصفیہ بھی تھیں، اور دست کرم بھی بڑا وسیع رکھتی تھیں۔ یہ تو معلوم ہے نا کہ ان کے گھر میں افلاس تھا ناداری تھی تنگدستی تھی مگر تھی اسی وجہ سے کہ کوئی سوال کرتا تو خالی نہ جاتا کسی نے کچھ مانگا تو جو کچھ گھر میں ہوا سب دے دیا کسی نے ایک روٹی مانگی تو ساری چنگیر اس کے حوالے کر دی۔ کسی نے ایک کپڑا مانگا تو ساری پوشاک ہی اس کو بخش دی خود گرسنہ رہنا قبول کر لیا، مگر یہ منظور نہیں کہ سوالی آئے اور خالی چلا جائے۔ خود محتاج تھیں مگر محتاجوں کو دیتی تھیں۔ خود نادار تھیں مگر دوسروں کی ناداری دیکھ نہ سکتی تھیں۔ خود فاقے کھینچتی تھیں مگر کسی کی بھوک برداشت نہ کرتی تھیں۔ اللہ غنی! کس قدر جذبۂ ایثار تھا کہ اپنے پیٹ پر پتھر بندھے ہیں۔ اور دوسروں کا شکم پُر کیا جا رہا ہے۔ اپنا لباس پھٹا پرانا ہے مگر دوسروں کو حریر واطلس کی پوشاکیں دی جا رہی ہیں۔ اور یہ بات اسی میں پیدا ہو سکتی ہے جس نے علائق دنیا کی محبت چھوڑ کر خالق کائنات سے دل لگایا ہو۔ اور اس کی رضا کی ہر دم تلاش ہو۔

درحقیقت یہ نبی ﷺ کی تعلیم و تربیت ہی کی برکت تھی کہ حضور ﷺ کی اولاد اور آپ کے یاران کرام دنیوی عیش وعشرت سے بے نیاز ہو کر عشق الٰہی میں محو ہو گئے۔ حضور ﷺ اپنی بیٹی کے گھر کوئی قیمتی یا زائد چیز دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے۔ اور جب تک وہ چیز صدقہ نہ کر دی جاتی آپ خوش نہ ہوتے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں

کہ نبی اور ولی تو تھے ہی قسمت کے ہیٹے۔ ان کے تو نصیب میں ہی کوئی چیز نہ تھی۔ وہ دیکھیں کہ ان بزرگوں کے قدموں میں تو دولت کھیلتی تھی۔ سیم وزر کے عرش پیما انبار ان کے پاؤں میں ہوتے تھے۔ مگر وہ اللہ کے بندے تو آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھتے تھے اور سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ اگر وہ بھی محبّ دنیا ہوتے' جہان فانی سے لگاؤ رکھتے' تو سونے اور چاندی کے محل بنا سکتے تھے۔

ایک بوڑھی عورت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی۔ اے بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تین روز سے بھوکی ہوں۔ کچھ کھانے کو دیجئے۔ بتول رضی اللہ عنہا مسکرا کر بولیں۔ امّاں! تو تین روز سے بھوکی ہے تو میں نے سات روز سے روٹی کی شکل نہیں دیکھی۔ ابھی ابھی کہیں سے چار مٹھی آٹا آیا ہے۔ ٹھہریئے میں روٹی پکا دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر فاطمہ اٹھیں۔ سارا آٹا گوندھا۔ روٹیاں پکائیں اور اس بڑھیا کو یہ کہتے ہوئے دے دیں۔ امّاں! معاف کرنا۔ میں زیادہ نہیں دے سکی۔ علی رضی اللہ عنہ مزدوری کرنے گئے ہیں۔ میں نے ان کے لیے کچھ حصہ رکھا ہے وہ شام کو آئیں گے آپ بھی آ جانا اور جو میرا حصہ ہوگا وہ لے جانا۔

اللہ اکبر! یہ تھے اللہ کے محبوب لوگ۔ کہ کئی روز سے بھوکے ہیں اور پھر بھی کہیں سے کچھ ملتا ہے تو دوسرے ہی بھوکوں کو دے دیا جاتا ہے اور اپنے پیٹ کی فکر نہیں کی جاتی۔ اور آج؟...... آج تو کوئی بھوک سے سامنے تڑپ رہا ہو۔ تو ہم اس کی طرف نگاہ بھی نہیں کرتے۔ کوئی ننگا ہو' محتاج ہو' فاقہ زدہ ہو' مفلس اور نادار ہو' پڑے بھاڑ میں۔ کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ہماری اپنی ہی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں' خیرات کہاں سے دیں؟ صدقہ کہاں سے کریں؟ یہاں کوئی فاطمہ رضی اللہ عنہا یا فاطمہ کے باپ تو نہیں ہیں کہ پیٹ کاٹ کر دے دیں گے۔ یہاں ہم ہیں جنہیں کسی کا احساس نہیں۔ کسی سے ہمدردی نہیں۔ ہم ان کی طرف نسبت تو بہت کرتے اور ان کی بارگاہ عالیہ

میں گلہائے عقیدت تو بہت پیش کرتے ہیں مگر عملاً ہمارا یہ حال ہے کہ کسی پر ترس نہیں کھا سکتے۔ کسی کو پھوٹی کوڑی نہیں دے سکتے۔ اور پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ سادات کی محبت کا۔ پکے اور سچے مسلمان ہونے کا۔ اللہ ہماری حالت پر رحم کرے! اور ہمیں سیرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

❀❀❀

فضیلت ومنقبت

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق محبت والفت بھی سب سے نرالا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس سے محبت کرتے' وہ یہی سمجھتا کہ جس قدر مجھ سے پیار کرتے ہیں کسی دوسرے سے نہیں کرتے۔

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریق ودستور اپنی اولاد اطہر سے بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بیٹی یہی خیال کرتی کہ ابا جان مجھے سب سے عزیز رکھتے ہیں۔ میں ہی ان کی سب سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ اس دستور کے پیش نظر یہ سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختران فرخندہ اختر میں سے افضل کون تھی۔ اور فوقیت کسے حاصل تھی۔

سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ ہجرت کے وقت ایک دشمن اسلام ہبار نے ان کو ایسا نیزہ مارا کہ ان کا حمل گر گیا۔ اور اسی صدمہ سے وہ وفات پا گئیں۔ ان کی رحلت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هِیَ اَفْضَلُ بَنَاتِی اُصِیْبَتْ فِیَّ۔ ''وہ میری سب بیٹیوں سے افضل تھی اور میری خاطر وہ مصیبت میں مبتلا ہوئیں۔'' یہاں زینب رضی اللہ عنہا کو فضیلت دی گئی ہے۔

محترمہ رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی تھیں جب ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو ان کی نسبت مشہور ہو گیا کہ اَحْسَنُ زَوْجَیْنِ رَاٰهُمَا اِنْسَانٌ رُقَیَّةُ وَ زَوْجُهَا عُثْمَانُ۔ ''انسانوں میں سب سے عمدہ

اور اعلیٰ جوڑا جو دیکھا گیا ہے، وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ہیں"
حالانکہ آج کل مسلمان فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو سب سے اچھا جوڑا قرار دیتے ہیں اور انہیں کو افضل و برتر مانتے ہیں۔ مگر حضور پاک ﷺ کے فرمان کے بموجب اہل عرب نے عثمان اور رقیہ رضی اللہ عنہما کے جوڑے کو افضل و اعلیٰ سمجھ رکھا ہے۔

حضرت رسول مقبول ﷺ کی ایک نواسی امامہ تھیں جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت پیار کرتے انہیں گود میں اٹھائے رکھتے اور گود ہی میں لے کر نماز پڑھ لیتے۔ انکے متعلق حضور ﷺ فرمایا کرتے۔ "اَحُبُّ اِلَیَّ مِنْ اَھْلِیْ" یہ اہل بیت میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے" لیجئے! یہاں حضور ﷺ کی سب بیٹیاں بھی پیچھے رہ گئیں۔ اور اپنی نواسی کو سب پر فضیلت دے دی کہ اس سے زیادہ مجھے کوئی بھی پیارا نہیں ہے۔

اس سے عام لوگ مشکل میں پھنس جاتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے اپنی دوسری بیٹیوں اور نواسے نواسیوں کو بھی سب سے افضل، اور سب سے محبوب سمجھا ہے، تو ہم کس کو کس پر فضیلت و فوقیت دیں۔ کس کا رتبہ نسبتاً کم سمجھیں کس کو زیادہ بلند مرتبہ جانیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو۔ ان کی دوسری بہنوں کو۔ یا ان کی اولاد کو۔ اس سلسلے میں بہت سے علماء نے دماغ سوزی کی اور خامہ فرسائی فرمائی۔ اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس عہد مبارک کی بلند صفت خواتین مثلاً حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تقابل کیا۔ امام ابن حزم علیہ الرحمۃ نے سیّدہ عائشہؓ کو افضل کہا۔ علامہ آلوسی اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بلا حجت سب سے افضل قرار دیا ہے۔

مگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو یہ عُقدہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے، وہ اس طرح، کہ اسلام میں افضلیت کا معیار ہی جداگانہ ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی کی فضیلت کو پرکھنے

کے لیے ایک آئین بنا رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔[1]
''یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل و اعلیٰ وہی ہے' جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں سب پر فائق ہے۔ اور اس کے ہر حکم پر سر جھکاتا ہے۔

نبی بھی اسی کو سب سے بہتر و برتر سمجھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا مطیع' صالح و نیکوکار اور تقویٰ و طہارت میں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے قانون میں یہی باتیں کسی کے محبوب و عزیز ہونے کا موجب ہیں۔ جن لوگوں نے اس قانون کی پابندی کی ہے وہ سب اللہ اور نبی کے پیارے ہیں اور افضل و اعلیٰ ہیں چاہے وہ کم ہوں یا زیادہ۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو دربار الٰہی اور بارگاہ نبوی سے فضیلت کی جو سندیں ملیں وہ بھی اسی آئین کے مطابق تھیں کہ وہ اعمال صالح کی سرمایہ دار تھیں۔ اللہ اور نبی کے ہر حکم پر چلتی تھیں۔ قرآن و سنت سے عشق رکھتی تھیں' متقی اور پرہیزگار تھیں۔ زاہدہ و عابدہ تھیں۔ اور ہر عمل ہر کام میں اپنے والد محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرتی تھیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسی ان کی دوسری تینوں بہنوں نے کی تھی۔

فرق یہ تھا کہ سیّدہ زینب' رقیہ اور کلثوم رضی اللہ عنہن کی تعلیم و تربیت میں ان کی والدہ ماجدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن سیدہ فاطمہؓ چونکہ شیرخوارگی ہی میں آغوشِ مادر سے محروم ہو گئی تھیں اس لیے ان کی تمام تعلیم و تربیت رسول اللہ ﷺ ہی نے فرمائی۔ اور انہیں دین کے قانون پڑھائے۔ اسلام کے آئین سکھائے' شریعت کے گر بتائے' اور ان سب امور میں انہیں ماہر کامل بنا دیا جن کی بدولت انہوں نے خواتین عالم کا سردار بننا تھا۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کی انتہائی محبت ہونے کا ایک سبب یہ بھی

(۱) سورہ حجرات:۱۳۔

ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کی دوسری بیٹیاں ایک ایک کر کے جنت کو سدھار گئیں اور آنحضرت ﷺ کی اولاد میں سے صرف فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی زندہ رہ گئی تھیں۔ علاوہ بریں فاطمہؓ چونکہ سب سے چھوٹی تھیں اور کم سنی ہی میں حضور ﷺ کی نگرانی و تربیت میں رہنے لگی تھیں اس لیے بھی بہت عزیز تھیں۔ اور یوں بھی قاعدہ ہے کہ جس شاگرد کو خاص توجہ سے تعلیم دی گئی ہو اور ہر وقت اپنے پاس رکھا ہو اس سے زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔ یہی اسباب تھے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے۔ ورنہ سیّدہ کی دوسری ہمشیرگان عالی مقام بھی درجہ وفضیلت میں کچھ کم نہ تھیں۔ سرکار دو عالم ﷺ ان سے بھی بہت محبت رکھتے تھے۔

ہاں! یہ نبی سے تربیت پانے ہی کا نتیجہ تھا کہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو جیتے جی بہشت کی بشارت مل گئی اور وہ جنت کی وارث بن گئیں۔

یہ اسی پاک تعلیم کا اثر تھا کہ حضور نے فاطمہ کو سیّدۃ النساء العالمین کا خطاب دیا۔ اور فرمایا کہ "یہ میری بیٹی تمام دنیا بلکہ سب جہانوں کی عورتوں کی سردار ہے۔"

اسی مقدس تعلیم کی بدولت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو **سَيِّدَةُ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهلِ الجنة** (۱) کی سند عطا کی گئی۔ اور کہا گیا کہ یہ جنتی عورتوں کی سردار وفرمانروا ہے۔

اسی اعلیٰ تربیت کے طفیل فاطمہ رضی اللہ عنہا کو **بُضْعَةٌ مِنِّی فَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ** (۲) کا سرٹیفکیٹ ملا۔ اور سرکار دو جہاں نے فرمایا کہ "فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس نے اس کو غصے کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔"

یہ وہی بہترین تعلیم تھی جس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے

---

(۱) بخاری: باب مناقب فاطمۃ رضی اللہ عنہا

(۲) بخاری: ۳۷۶۷

کہلوایا۔ کہ فَاِنَّمَا بِنْتِی بَضْعَةٌ مِنِّی یَرِیْبُنِی مَااَرَابَهَا وَ یُؤْذِیْنِی مَااٰذَاهَا [۱]
''میری بیٹی فاطمہ میرے ہی بدن کا ٹکڑا ہے مجھ کو بھی وہی چیز ایذا دیتی ہے جو اس کو تکلیف دیتی ہے۔''

ایک بار بتول محترمہ نے تنگدستی کی شکایت کی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلا تَرْضِیْنَ اَنْ تَکُوْنِی سَیِّدَةُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنَاتِ اَوْ سَیِّدَةُ نِسَاءِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ [۲]
''اے فاطمہ! کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ تو دنیا کی عورتوں کی یا اس امت کی عورتوں کی سردار بنے؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کو یہ خوشخبری بھی دی تھی کہ میں اور تم اور علی رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ قیامت کے روز ایک ہی مکان میں رہیں گے۔ [۳]

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود کسی کے کہنے پر ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا۔ اِنَّ الْفَاطِمَةَ مِنِّی وَ اَنَا اَتَخَوَّفُ اَنْ تُفْتَنَ فِی دِیْنِهَا وَ اِنِّیْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلاَلًا وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰهِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ بِنْتُ عَدُوِّ اللّٰهِ اَبَدًا۔ [۴] ''یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا میری بیٹی ہے اور مجھ سے ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں (اس نکاح) سے اس کے دین میں فتنہ نہ پڑ جائے۔ میں ایسا نہیں ہوں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کروں۔ لیکن اللہ کی قسم! پیغمبر کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ کبھی جمع نہ ہو سکیں گی۔''

اس سے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ واقعی

(۱) بخاری: ۵۲۳۰

(۲) بخاری: ۶۲۸۵، ۶۲۸۶

(۳) بخاری

(۴) بخاری: ۳۱۱۵

درست ہے کہ ابوجہل کی بیٹی کو دختر رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت؟ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سیدہؓ کی سوتیلی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کی تعریف میں کہتی ہیں

مَارَاَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَصْدَقَ لَہْجَۃً مِنْھَا اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ الَّذِی وَلَدَھَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ ''میں نے سچائی اور راست گوئی میں فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا' البتہ ان کے والد بزرگوار ﷺ اس سے مستثنٰی ہیں۔''

کسی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ کون محبوب تھا؟ فرمایا: عورتوں میں فاطمہ اور مردوں میں شوہر فاطمہ۔ یعنی علی رضی اللہ عنہ۔[1] اس میں بھی سوتیلی ماؤں اور سوتیلی بیٹیوں کے لیے کسی قسم کے سبق پوشیدہ ہیں اور اس سے عائشہ و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے اعلیٰ تعلقات پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اور ان پر افترا باندھنے اور تبراء کرنے والے کوتاہ بیں لوگوں کا جھوٹ عیاں ہوتا ہے۔

یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ہی تھی کہ جب وہ سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں آتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور مرحبا مرحبا کہہ کر اپنی چادر پر بٹھا دیتے۔[2] اسی طرح جب حضور ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے جاتے۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

ان حالات سے صاف عیاں ہے کہ فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کو جو فضیلت ملی اعلیٰ تعلیم و تربیت اور نبوی اخلاق کی بدولت ملی۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنی منشائے مبارک سے انہیں سکھایا اور پڑھایا تھا۔ اس لیے حضور ﷺ ہی نے انہیں عزت و

(۱) ترمذی: ۳۸۷۴۔

(۲) ترمذی: ۳۸۷۲

عظمت بخشی اور انہوں نے اللہ کے دربار میں بھی قبولیت پائی۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ محض کسی بڑے کی اولاد ہونا فخر وفضیلت کا باعث نہیں ہے جب تک اچھے عمل نہ کئے جائیں۔ اچھی عادتیں اور خصلتیں نہ پیدا کی جائیں۔ اونچے گھرانوں کے جو لوگ بے عمل اور نالائق ہونے کے باوجود ''پدرم سلطان بود'' کے نعرے لگاتے ہیں' اور یہ جتاتے ہیں کہ ہم فلاں افسر' فلاں لیڈر یا فلاں بزرگ کی اولاد ہیں۔ اور ہمارا سلسلہ فلاں حضرت سے ملتا ہے۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام نے کسی بڑے کی اولاد ہونے پر بزرگی وفضیلت کا معیار نہیں رکھا۔ اس کے ہاں جو کچھ ملتا ہے عمل اور سیرت وکردار کی وجہ سے ملتا ہے۔ اگر اعمال نیک ہیں' طبیعت میں صلاحیت ہے تو اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اگر کام گندے ہیں خصائل ناپاک ہیں تو اسے کوئی درجہ ومرتبہ نہیں مل سکتا۔ چاہے وہ کسی نبی کی اولاد سے ہو یا بادشاہ کی نسل سے۔ بہرکیف سیّدہ محترمہ کی فوقیت وفضیلت بھی ہمیں نیکی کی ترغیب دیتی اور اعمال صالح پر مائل کرتی ہے اور بابانگ دھل پکارتی ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاکُمْ! ''کہ تم میں اللہ کے ہاں زیادہ محترم ومکرم وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔''

فرقت رسول ﷺ

آخر قانون الٰہی کے مطابق وہ دن بھی آ پہنچا کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے والد اقدس اور کائنات کے سردار اس دار فنا کو چھوڑ کر بیٹی سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجۃ الوداع کے عظیم الشان اجتماع میں خطبہ ارشاد فرمانے کے پونے تین مہینے بعد ماہ صفر کے آخری ہفتہ میں صاحب فراش ہوئے۔ آپ ﷺ کو بخار کی تکلیف تھی۔ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور کی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ والد محترم کی تیمارداری فرماتی رہیں۔ چونکہ حضور ﷺ حسب عادت بیماری کی حالت میں بھی روزانہ ہر بیوی کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس سے آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے بتول محترمہ رضی اللہ عنہا کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اور ان کے مشورہ سے ہی حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں قیام فرمایا۔

آخری روز حضور ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی، آپ کبھی ایک پاؤں پھیلاتے کبھی دوسرا پھیلاتے۔ ایک دفعہ بے ہوشی سی ہو گئی۔ تو فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کے سینے سے چمٹ کر رونے لگیں۔ اور آہیں بھرتے ہوئے کہنے لگیں، ''ہائے! میرے ابا جان کی تکلیف۔'' یعنی آپ کی تکلیف بیٹی سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ بیٹی! آج کے بعد تیرا باپ اس تکلیف سے نجات پا جائے گا۔

اب میرے سامنے وہ منزل ہے جس سے کسی نے چھٹکارا نہیں پایا۔ اب تو میری تیری ملاقات قیامت کے روز ہی ہوگی۔ بیٹی! جب میں اس دنیا سے اٹھ جاؤں تو رونا نہیں صرف اتنا کہنا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کیونکہ اس سے انسان کو مصیبت سے تسکین ہوتی ہے۔ سیّدہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو بھی اس سے تسلی ہوگی؟ فرمایا ہاں! کیوں نہیں......

اس وصیت میں حضور ﷺ نے ایک صبر وتحمل کی تلقین فرمائی اور میت پر رونے چلانے، بین کرنے اور پیٹنے سے منع فرمایا۔ دوسرے یہ ظاہر فرمایا کہ جس طرح دوسرے انسانوں کو انا للہ پڑھنے سے تسکین وتسلی ہوتی ہے اسی طرح مجھے بھی ہوگی۔ کیونکہ میں بھی ایک بندہ اور بشر ہوں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے انتقال کی خبر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی۔ وہ اس طرح کہ ایک روز حضور ﷺ نے محترمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو قریب بلایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا۔ وہ رونے لگیں پھر بلایا اور کان میں کچھ فرمایا تو وہ ہنسنے لگیں۔

حضور ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیّدہ بتول رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے کہا پہلی دفعہ آنحضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ میں اس مرض سے فوت ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر میں رونے لگی تھی۔ دوسری مرتبہ فرمایا تھا کہ خاندان کے سب آدمیوں میں سے تو ہی مجھے پہلے ملے گی۔ اس پر میں خوش ہوگئی۔ اس سے بھی باپ بیٹی کی محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر تھی۔

جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو سوموار کے دن اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لیے یہ صدمۂ عظیم اگرچہ ناقابل برداشت تھا، مگر انہوں نے دامن صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ حضور ﷺ کی وصیت پر

عمل کیا اور فاطمہ سے کہا تو یہ کہ میرے والد بزرگوار نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہی۔ اور پروردگار عالم نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ اے والد محترم! آپ کا ٹھکانا جنت الفردوس میں ہے۔ انا للّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی فرقت پر کچھ شعر کہے ہیں۔ آپ کا ایک شعر ہے ۔

یَا خَاتَمَ الرُّسُلِ! الْمُبَارَکِ صِنْوَۃً!
صَلّٰی عَلَیْکَ مُنَزِّلُ الْقُرْاٰنِ!

''اے ختم المرسلین! اے بابرکت بیٹی کے باپ! آپ پر قرآن اتارنے والے رب کی طرف سے درود وسلام ہو آپ پر رحمت ہو۔''

اسی طرح ایک اور شعر ہے ۔

اِنَّا فَقَدْنَاکَ فَقْدَ الْاَرْضِ اَھْلَھَا
وَ غَابَ مُذْغِبْتَ عَنَّا الْوَحْیُ وَالْکُتُبُ

''ہم آپ ﷺ سے یوں محروم ہو گئے جیسے بارش سے زمین محروم ہو جاتی ہے۔ جب سے آپ اوجھل ہو گئے ہیں آسمان سے وحی کا نزول اور کتابوں کا آنا بھی بند ہو گیا ہے۔''

بنت رسول ﷺ کے یہ اشعار حضور ﷺ کی ختم المرسلینی پر مہر توثیق و تصدیق لگا رہے ہیں اور صاف ظاہر کرتے ہیں کہ جناب خاتم النبیین کے بعد ہر قسم کی حقیقی، غیر حقیقی، تشریعی، غیر تشریعی، ظلی، بروزی، انعکاسی، تفویضی، توسلی نبوتوں کے دروازے بند ہیں، جو شخص حضور ﷺ کے بعد کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب، مفتری اور خارج از اسلام ہو گا۔

حضور ﷺ کی رحلت کے بعد سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا جتنا عرصہ بھی زندہ رہیں

کسی نے انہیں ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ اور وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہیں۔ مگر نہ واویلا کیا' نہ پیٹیں' نہ یوم وفات منایا' نہ کوئی اور خلاف شرع کام کیا۔

یہ حالات ہمیں صبر وسکون اختیار کرنے' رضائے الٰہی پر سر جھکانے اور بزرگوں یا عزیزوں کی وفات کے صدمے برداشت کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصیت اپنی بیٹی کو فرمائی تھی وہ سب مسلمانوں کے لیے لائق توجہ اور قابل عمل ہے۔ علاوہ بریں ان حالات سے حضور ﷺ کا خالص بشر اور خاتم النبیین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ البتہ آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین عبد کائنات کے افضل ترین اور کامل ترین بشر تھے اور بشر ایسے کہ ساری مخلوقات کے سردار تھے۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ایک ایک لفظ سے آپ کی بے پایاں فضیلت و رفعت اور آپ کے فراق کا انتہائی صدمہ اور غم آشکارا ہوتا ہے۔ مگر آپ حکم شرع سے ذرہ بھر ادھر ادھر نہ ہوئیں۔ رضی اللہ عنہا

اولاد

دختران رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب خاتون ہیں جن کی اولاد اطہار ''سادات'' کہلائی۔ اوران سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل وذریت کا نام زندہ و باقی رہا۔ حسنی' حسینی' فاطمی' علوی' یہ سب سادات کی ہی اقسام و خاندان ہیں' جو آج بھی اطراف عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد کا تھوڑا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) حسن رضی اللہ عنہ: رمضان ۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن نام رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا۔ اور بال اتروا کران کے ہموزن چاندی خیرات فرمائی۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں اپنے محترم نانا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ تھے بڑے عالم' صابر' راضی برضا' عامل قرآن وسنت اور بڑے صلح جو تھے۔ آپ کو زہر دیا گیا جس سے شہادت واقع ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

(۲) حسین رضی اللہ عنہ: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ ۴ھ میں ولادت ہوئی۔ ابوعبداللہ کنیت تھی۔ بڑے حسین وجمیل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمشکل تھے۔ ۶۱ھ میں یزید کی فوجوں سے لڑتے ہوئے میدان کربلا میں شہادت پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ [1]

(۱) ہماری کتاب ''سیرت حسین رضی اللہ عنہ مع واقعہ شہادت'' کا مطالعہ فرمایئے' اس میں آپ کے مفصل حالات مع واقعہ تفصیل سے موجود ہیں۔ یہ اپنی طرز کی منفرد کتاب ہے۔ (فاروقی)

(۳) ام کلثوم رضی اللہ عنہا **بنت علی** رضی اللہ عنہ: چونکہ یہ صاحبزادی اپنی خالہ محترمہ حضرت ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم صورت تھیں۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اسی نام سے موسوم کیا۔ یہ صاحبزادی حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیاہی گئیں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کے مشورے سے ان کا نکاح فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کیا۔ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس داماد پر تبرّا کرنے والے سوچیں کہ اس کی کتنی شان وعظمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے اس کا صرف روحانی تعلق تھا اب نسبی تعلق بھی قائم ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم لاڈلی نواسی اس کی رفیقہ حیات بن گئیں۔ سیّدہ ام کلثوم کی قبر مبارک دمشق میں ان کی بھتیجی؟ بنت امام حسین کے پاس ہے۔

(۴) زینب رض **بنت علی** رض: یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی حضرت علی المرتضیٰ کے بھتیجے جناب عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیّدہ زینب حادثہ کربلا میں اپنے برادر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ آخری دم تک رہیں۔ سب کچھ اپنے آنکھوں سے دیکھا اور صبر کیا۔ آپ نے کوفہ میں ابن زیاد کے سامنے اور دمشق میں یزید کے سامنے ایسی جرأت مندانہ گفتگو فرمائی کہ یزیدیوں کا پسینہ چھوٹ گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے نواسیوں سے بے حد محبت تھی۔ حضور انہیں گود میں اٹھا کر لیے پھرتے۔ انہیں کندھے پر سوار کرتے۔ انہیں اٹھا کر نماز پڑھ لیتے۔ انہیں کھلاتے پلاتے اور بہلاتے۔ اور ہر طرح ان کی خوشی کا خیال رکھتے۔ وہ نماز پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ بیٹھتے' پشت پر چڑھ جاتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ کہتے۔ بلکہ انہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے اور ان کے لیے دعائیں فرماتے۔

حضور ﷺ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا: اِنَّہٗ رَیْحَانَتِیْ مِنَ الدُّنْیَا۔ وہ تو دنیا میں میرا پھول ہے۔

سیّدنا حسنؓ و حسینؓ کے متعلق ارشاد فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّی وَاَحِبَّ مَنْ یُحِبُّھُمَا وَ اَحِبّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا الٰہی! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں۔ تو بھی ان سے محبت رکھ۔ اور جو شخص ان دونوں سے محبت رکھے۔ تو بھی اس سے محبت رکھ۔"

پھر دونوں کی شان میں فرمایا۔ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں"

حضرت رسول مقبول ﷺ نے ان صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی بھی علیٰ قدر مناسب تربیت فرمائی تھی۔ غور کیجئے' جن خوش نصیبوں کی ماں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا' باپ علی مرتضیٰ' اور نانا سید المرسلین ہو۔ وہ خلد بریں کے سردار نہ بنیں تو کیوں نہ بنیں؟ ان تینوں عظیم ہستیوں نے ان کو تعلیم دین سے بہرہ مند فرمایا۔ اور اسی تربیت کی بدولت انہوں نے دین و دنیا میں عظیم ترین مرتبے اور منصب حاصل کیے۔

بعض لوگ اپنے بیٹے بیٹیوں سے تو محبت کرتے ہیں لیکن بیٹی کی اولاد سے محبت نہیں رکھتے۔ یہ حالات بتاتے ہیں کہ نواسے نواسیوں کو اپنی اولاد سے بھی عزیز رکھنا چاہیے۔ مناسب ہو تو ان کی تعلیم و تربیت کا بھی معقول انتظام کرنا چاہیے۔ یہ سنت رسول ﷺ ہے اور ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کے طریقوں پر چلے۔ اور بچوں سے شفقت و محبت سے پیش آئے' اور ان کا خاص خیال رکھے۔ چاہے وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں' پوتے ہوں یا پوتیاں' نواسے ہوں یا نواسیاں' بھتیجے ہوں یا بھتیجیاں' بھانجے ہوں یا بھانجیاں۔

علاوہ بریں ان حالات سے ایک بار پھر ثابت ہو جاتا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی دینی تعلیم و تربیت ہی انسان کامل بناتی اور اسے دین و دنیا میں مراتب و مناصب دلاتی

ہے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے اسی کے طفیل بڑے بلند مرتبے پائے۔ اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول و منظور ہوئے' جو مسلمان دین کے معاملے میں بے توجہی اور غفلت سے کام لیتے ہیں۔ اور محض دنیوی علوم و فنون کی تحصیل پر توجہ دیتے ہیں۔ وہ اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَ طَالِبُھَا کِلَابٌ کی زد میں آتے ہیں۔ اللہ کرے کہ ہمیں اور ہماری اولاد کو تعلیم دین کا شوق پیدا ہو اور ہم بھی اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں عزت حاصل کریں۔ آمین۔

وفات

آئین الٰہی کے ماتحت قدرت کے نوشتے پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اور انسان چاہے کس قدر بلند مرتبہ ہو آخر فانی ہے۔

ہر آنکہ زادنبا چار بایدش نوشید
ز جامِ دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ

بتول بنت رسول اللہ (ﷺ) سیدۃ النساءؑ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لیے بھی آخر وہ وقت آ پہنچا جو سب پر آتا رہا ہے اور آتا رہے گا۔ آپ اپنے والد محترم ﷺ کی جدائی کا صدمہ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکیں۔ اور حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے چھ ماہ بعد گرامی قدر والد کی پیشین گوئی کے مطابق ان سے جا ملیں۔ صرف تیس سال عمر پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ نے صرف تیس سال عمر پائی۔

سیّدہ محترمہ اس قدر صاحب شرم و حیا خاتون تھیں کہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئیں تو ایک طرف بیماری کی تکلیف تھی لیکن دوسری طرف مرض سے بھی زیادہ یہ غم درپیش تھا کہ جنازہ اگر کھلا لے جایا گیا تو لوگ اسے دیکھیں گے اور یہ بات حیاداری سے بعید ہے پس سیّدہ محترمہ نے اسماء بنت عمیسؓ زوجہ ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا۔ اے عمیس! آپ میری حالت دیکھتی ہیں لیکن کھلے جنازے میں تو حیادار عورت کا پردہ ٹھیک نہیں رہتا اور میں اس سے بہت ہی نفرت کرتی ہوں۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا

اپنے پہلے خاوند حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہمراہ حبشہ میں رہ چکی تھیں۔ اور وہاں کے سب حالات سے واقف تھیں' کہنے لگیں۔ اے بنت رسول! حبشہ میں عورتوں کا جنازہ لے جانے کا ایک طریقہ میں دیکھ آئی ہوں۔ آپ فرمائیں تو اس کا نمونہ تیار کر کے دکھاؤں؟ سیّدہ کی ایماء پا کر اسماءؓ نے کھجور کی شاخیں لے کر ان کے کنارے موڑ کر انہیں نصف دائرے کی طرح بنایا۔ اور ہر شاخ کے دونوں سرے چارپائی سے باندھ دیے۔ پھر ان پر کپڑا پھیلا دیا۔ اس سے ایک ڈولی یا لکی کی شکل بن گئی۔ جو بہت باپردہ تھی۔ سیّدہ نے اسے دیکھا تو مسرور ہوئیں اور تبسم فرمایا اور کہا کہ میرا جنازہ اسی طرح اٹھانا۔ اور خیال رکھنا کسی قسم کی بے پردگی نہ ہونے دینا۔ (۱)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت بھی فرمائی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا تا کہ جنازہ پر کسی نامحرم کی نگاہ نہ پڑ سکے۔ چنانچہ ان دونوں وصیتوں پر عمل کیا گیا۔ یعنی انہیں آخر تک پردے میں رکھا گیا۔ اور ان کی نماز جنازہ رات کے وقت پڑھائی گئی۔

سیّدہ کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی اس سلسلے میں تین نام لیے جاتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ'(۲) ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ لیکن کنز العمال کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ (۳) ''ریاض النضرۃ'' میں اس کی تائید ہوتی ہے۔ (۴) علامہ ابن سعد نے ''طبقات'' میں ایسے ہی لکھا ہے۔ (۵)

اللہ اکبر! دختر اسلام کو پردہ کا کس قدر اہتمام تھا۔ کہ وہ اپنے جنازوں کو بھی کھلا لے جانا پسند نہ کرتی تھیں۔ اور اس غم میں گھلی جاتی تھیں کہ کسی غیر کو ان کی میت

(۱) الاستیعاب ج ص
(۲) البدایہ والنہایہ ج
(۳) کنز العمال ج ۳ ص ۳۱۸ طبع قدیم
(۴) ریاض النضرہ ج ۱ ص ۱۵۶
(۵) طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۹ یورپ

نظر نہ آ جائے۔

اس میں ہمارے لیے ایک تو یہ سبق ہے کہ مستورات کے جنازہ میں پردے کا خاص انتظام کرنا چاہیے۔ اور کسی صورت میں بھی بے پردگی نہ ہونے دینی چاہیے۔ اور غیر مردوں کا عورتوں کو دیکھنا سخت منع ہے جیسا کہ کئی لوگ کرتے ہیں اسے ختم کرنا چاہیے۔

دوسرا سبق یہ کہ مسلم خواتین کو حیادار بننا چاہیے۔ وہ جتنی شرمیلی ہوں گی اتنی ہی دین و دنیا میں مقبول ہوں گی اور بڑا درجہ پائیں گی۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا۔ جناب شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تدفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تعزیت کی۔ جملہ صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات سے بہت صدمہ ہوا۔

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور نکاح بھی کئے۔ مگر وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کبھی نہ بھولے۔ ان کی اعلیٰ صفات کو یاد کر کے روتے اور آہیں بھرتے تھے۔ سیّدہ کی وفات کے بعد کسی شخص نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ فرمایئے! دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فاطمہؓ) کیسی بیوی تھیں؟ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ وہ ایک ایسے خوبصورت پھول کی مانند تھیں جس کی خوشبو سدا بہار ہوتی ہے اور وہ مرجھانے کے بعد بھی قلب و دماغ کو معطر کرتی ہے۔

اسی طرح کسی نے ان سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعریف پوچھی کہ وہ کن خصائل کی سرمایہ دار تھیں؟ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ان کی تعریف و توصیف اس قابل نہیں کہ دو چار لفظوں میں بیان ہو سکے۔ ان کی شان دنیا کی تمام خواتین سے بالاتر تھی۔

یاد رکھیے جو عورتیں نیک خصلت، نیک خو، نیک دل ہوتی ہیں وہ مرنے کے

بعد بھی اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتی ہیں۔ جو یادگار رہتی ہیں اور ان کے پسماندگان ان کی نیکیوں کی وجہ سے ہی انہیں یاد کرتے اور روتے ہیں۔

ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو بھی نیک اور صالح بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور چار دن کی زندگی میں نیکی کا وہ بیج بونا چاہیے جو زمانے میں یادگار رہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے
یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر ہماری مائیں بہنیں، بیٹیاں، اور بہوئیں حضرت سیّدۃ النساء فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی پاک سیرت کو مشعل راہ بنالیں تو انشاء اللہ وہ کبھی بھٹک نہیں سکتیں۔ آپ کے پاکیزہ اعمال واسوہ سے وہ کئی قسم کے ایسے قیمتی سبق لے سکتی ہیں جو ان کی دنیا بھی سنوار سکتے ہیں عقبیٰ بھی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقبول ہو کر کوئی اچھا مرتبہ ومنصب بھی پا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق بخشے کہ وہ صحیح معنوں میں سیّدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی محب وپیروکار نظر آئیں۔ آمین۔